

جذبہ خیر خواہی

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: ((مر رجل بشوك في الطريق فقال: لأ مطمئن هذا الشوك لا يضر رجلا مسلما فغفر له.))

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی کاراستے میں ایک کانٹے پر گزر رہا تو اس نے کہا کہ میں یہ کانٹا اٹھا دوں گا، کہیں یہ کسی مسلمان کو نقصان نہ پہنچا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔“

عید الفطر اور اسلام کا نصب العین

عید میلے اور تہوار بنانے کا جذبہ اتنا ہی پرانا ہے، جتنا خود انسان کا تمدنی اور اجتماعی شعور۔ ہر ملک، ہر علاقے بلکہ ہر انسان نے اس کی ضرورت کو محسوس کیا ہے اور اس کے اس فطری داعیے کی بنا پر ہر زمانے میں ہر مکتب فکر کے لوگوں نے خصوصی دن منانے کی ریت کو جاری رکھا ہے۔ بوڑھے، بچے، جوان، مرد اور عورت سبھی نے تقریبات کے مختلف پیمانوں سے رنج و راحت کے جام پیے ہیں، پی رہے ہیں اور جب تک دنیا قائم ہے، یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

کچھ تقریبات اور عیدیں موسمی تغیرات کا قدرتی نتیجہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ نفسیاتی طور پر موسمی تغیرات کی نئی کروٹ سے عموماً انسان کی لطیف حسیات مجھل جاتی ہیں۔ اس لیے یہ موسمی ریل پیل اور کیف آور فضاؤں کی سحر کاریاں ایک عظیم الشان تقریب کے انعقاد کا موجب بن جاتی ہیں۔

ان تقریبات کا ایک پس منظر زندگی کے تلخ حقائق سے اجتماعی طور پر گریز کا جذبہ بھی ہے۔ جس میں انسان صدمات روزگار اور مصائب وقت کو بہ تکلف یا برسبیل عادت فراموش کر کے عیش و نشاط کے لمحات میں کھو جانے کے..... ان کی آغوش میں پناہ لیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اسلام نے جس نظام عید کی داغ بیل ڈالی ہے، نہ وہ جذباتی ہے اور نہ موسمی، نہ وقتی اور سطحی مقاصد کی تکمیل کے لیے اور نہ صرف وقت پاس کرنے کے لیے بہانہ ہے۔ بلکہ وہ اس کے مخصوص مزاج، نصب العین اور وظائف حیات کی بنیادوں پر قائم ہے۔

اسلام ایک پروگرام اور دستور العمل کا نام ہے جو حق تعالیٰ کی عبدیت کے احساس کے تحت انسان قبول کرتا ہے اور اس سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل و دماغ کی تطہیر ہو اور اس کے نتیجے کے طور پر اس کے اعمال زندگی، پاکیزگی، حرارت اور نمو کے لحاظ سے معصومانہ نشوونما پائیں۔ تاکہ

۱: تعلق باللہ کے لیے اس کے مزاج اور حرکت میں سازگاری پیدا ہو۔

۲: اقامت حق اور ثبات علی الحق کے لیے اس کو وہ اخلاص، نور بصیرت اور قوت عمل حاصل ہو جو ایک داعی حق اور مہاجر الی اللہ کے لیے بنیاد اور زمین کی حیثیت رکھتے ہیں اور جس پر اس کی دنیا اور آخرت کی فلاح اور سعادت مندی کا انحصار ہے۔ وہ افکار اور اعمال اس کے لیے آسان ہو جائیں۔

۳: اور یہ کہ سچی نصیحت، خیر خواہی اور دردمندی کے ساتھ انسانی معاشرے میں ہم آہنگی، تعاون، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر جیسے ملکات راستہ جڑ پکڑ جائیں۔

بس اسلام کا یہ مزاج اور اس کا یہ نصب العین ہے اور اس کی ساری راہنمائی کا یہ حاصل ہے۔

اس لیے جو عیدیں اور تہوار منانے کے لیے اسلام نے سفارش کی ہے یا جن کی پابندی کا فریضہ ہم پر عائد کیا ہے، ان میں اور ان کے تمام تدریجی مراحل میں وہی روح و حکمت ملحوظ رکھی گئی ہے جو اسلام کے مزاج کا خاصہ اور نصب العین کا اقتضاء ہے۔

(مولانا عزیز بیدی رحمہ اللہ)

الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

یکم شوال المکرم 1434 ۷ جمعة المبارک 09 تا 15 اگست 2013

شماره 32 جلد 65

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلغوی
- حافظ حماد شاکر
- حماد الحق نعیم
- مدیر مسئول
- حافظ احمد شاکر

مینجر

• محمد سلیم چنیوٹی 0333-4786507

کمپوزنگ

• رضا اللہ ساجد 0344-4656461

جواہر پارے

• جذبہ خیر خواہی

کلمہ طیبہ

• عید الفطر اور اسلام کا نصب العین

اداریہ

• دینی مدارس کی ذمہ داری

درس قرآن

• تفسیر سورة الصفّت (۱۶)

درس حدیث

• اربعین اعتقادی (۶)

ارکان اسلام

• نماز کی اہمیت و تاثیر

تعلیم و تربیت

• دعا اور اس کی قبولیت

شہیت حدیث

• مکرین حدیث

علوم و معارف

• قلب مؤمن اور نور ایمان

تذکرہ محدثین

• امام مالک رحمہ اللہ

شعر و ادب

• یہ کیا ہو رہا ہے؟

(مولانا عزیز زبیدی)

(قاری نعیم الحق نعیم)

(مولانا ارشاد الحق اثری)

(ریاض عاقب اثری)

(مولانا حسن جاسمی)

(مولانا محمد اسحاق سلطی)

(حکیم اسحاق)

(ملک حسن علی شریقی)

(مولانا حافظ محمد اسحاق)

(ماہر القادری)

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
 کرٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال سنج براج لاہور
 فون نمبر : 042-3735 4406
 فیکس نمبر : 042-37229802
 رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی ہرچہ : 12/- روپے
 سالانہ : 500/- روپے
 بیرونی ممالک سے : 200/- ریال
 60/- ڈالر امریکی

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

دینی مدارس کی ذمہ داری

ذیل کا ادارہ ہمارے جنت مکین دوست قاری نعیم الحق نعیم رحمہ اللہ کے علم دین کی محبت سے سرشار اور گوہر باقلم کا شاہکار ہے۔ جسے ہم میاں صاحب کے تیسرے دور حکومت اور دینی مدارس کے تعلیمی سال کے آغاز کی مناسبت سے شائع کر رہے ہیں۔ ادارے میں بریکٹ کے اندر کی عبارتیں حالات کی مناسبت سے حالیہ اضافہ ہیں۔ (ادارہ)

کفر اور اسلام کے مابین کش مکش روزِ اوّل ہی سے جاری ہے۔ اور تا قیامِ قیامت جاری ہی رہے گی۔ البتہ حالات کے ساتھ ساتھ اس کی صورت اور شکل بدلتی رہتی ہے۔ کبھی تو یہ کش مکش رُودر و ہتھیاروں کی جنگ کی شکل اختیار کر کے کھل کر سامنے آ جاتی ہے اور کبھی یہ سرد جنگ کا نقاب اوڑھ کر عوام کی نظروں سے روپوش ہو جاتی ہے اور بعض اوقات کفر اور اسلام کی یہ باہمی کش مکش مذکورہ دونوں صورتوں میں جاری رہتی ہے۔ جیسا کہ آج کل عالمی حالات پر سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت ہر شخص باسانی دیکھ سکتا ہے۔ سرد جنگ ہو یا ہتھیاروں کی روایتی جنگ، دونوں میں اپنے دفاع اور دشمن پر غلبہ پانے کے لیے ضروری ہے کہ دشمن کی چالوں اور چال بازیوں کا ہمیں بخوبی علم ہو۔ دشمن کی چالوں میں سے ایک چال یہ ہے کہ وہ حتی الامکان ہتھیاروں کی جنگ سے گریز کرتا ہے اور سرد جنگ کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ ہتھیاروں کی جنگ میں جان کا خطرہ ہوتا ہے جب کہ سرد جنگ میں اس کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی زیادہ تر کوشش یہی ہوتی ہے کہ ہتھیاروں کی جنگ میں خود اُلجھنے کے بجائے دوسروں کو اُلجھائے رکھے تاکہ اسے خود تحفظ بھی حاصل رہے اور اس کا اسلحہ فروشی کا کاروبار بھی چلتا رہے۔ یہ نکتہ آپس میں لڑنے والے مسلمان ملکوں اور ان کے سربراہوں کے لیے ہمارے خیال میں بہت زیادہ قابلِ توجہ ہے۔

اور اگر اسے ہتھیاروں کی روایتی جنگ لڑنی پڑے تو پھر اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ تنہا لڑنے کے بجائے دوسروں کو بھی اس میں شریک کر لے تاکہ وہ جنگ مشترکہ طور پر لڑی جاسکے کیونکہ اس صورت میں اس کی ذاتی فوج کا نقصان کم سے کم ہو سکے گا۔ سرد جنگ کے سلسلے میں یہ بات اہل اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ دشمن کا اصل ہدف کیا ہے جسے حاصل کرنے کے لیے وہ سرد جنگ کا خطرہ اور خرچہ برداشت کر رہا ہے۔ دشمن کی اس سلسلے میں پوری کوشش ہوتی ہے کہ اس کا اصل ہدف کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس اخفائے راز کے لیے اسے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ اپنے اصل مقصد پر کئی دیوار پر دے چڑھانے پڑتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی نگاہیں اس تک نہ پہنچ سکیں۔ البتہ اللہ رب العزت کا مسلمانوں پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے دشمن کے تمام راز آؤٹ کر رکھے ہیں۔ دشمن کے اہداف و مقاصد، اس کی نیتیں اور ارادے، اس کی خواہشیں اور تمنائیں، الغرض دشمن کی کوئی ایسی بات نہیں جس کا قرآن کریم میں ذکر نہ کر دیا گیا ہو۔

اس سلسلے میں قرآن کریم کی بہت سی آیات کریمہ پیش کی جاسکتی ہیں تاہم اختصار کے پیش نظر ہم صرف ایک آیت کریمہ پیش کریں

گے جو ہمارے دشمن کے اصل ہدف اور بنیادی مقصد کو متعین کرنے کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔ اور وہ ہے:

﴿وَدُّواْ لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً﴾ [النساء: ۸۹]

”ان کی شدید خواہش اور دلی محبت ہے کہ تم بھی ان کی طرح کافر بن جاؤ۔ پس تم سب (کفر میں) برابر ہو جاؤ۔“

اس آیت کریمہ میں بیان کردہ حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ مسلمانوں کو کسی نہ کسی طریقے سے دین سے پھیر دیا جائے۔ ان کے اور ان کے اسلام کے درمیان جدائی ڈال دی جائے اور انہیں کافر اور غیر مسلم بنادیا جائے۔ چنانچہ ان کی تمام سرگرمیوں اور کوششوں کا اصل مقصد اور ہدف یہی ہے، جسے وہ براہ راست کے بجائے بالواسطہ طور پر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ لوگ مسلمانوں سے صاف صاف تو نہیں کہتے کہ جس طرح ہم نے اپنی کتابوں (توراة و انجیل وغیرہ) کی تعلیمات کا انکار کر دیا ہے۔ تم بھی اسی طرح اپنے قرآن و حدیث کا انکار کر دو۔ کیونکہ کمزور سے کمزور مسلمان بھی اس قسم کے مشورے کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لیے یہ لوگ کچھ باتوں کا عالمی سطح پر بڑا اہتمام کرتے ہیں جن کا بہ ظاہر اسلام دشمنی سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا لیکن ان سے ان کی توقع یہی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے ذریعے ان کے دین سے دور کیا جاسکتا ہے، مثلاً: اسلام سے متضادم انسانی حقوق کے تصور کا پرچار۔ عالم اسلام میں وحدت ملت اسلامیہ کے نام پر ایک ہی دن روزہ رکھنے اور عید منانے کی تشہیری مہم، ۹/۱۱ کی خونی ساش کے بعد عالم اسلام خصوصاً عراق، افغانستان اور پاکستان میں امریکی ظلم و ستم اور اس کی خونی چیرہ دستیوں پر مسلمانوں کے رد عمل کو سرد کرنے کے لیے ایک طرف بین المذاہب ہم آہنگی کا فتنہ اور دوسری طرف مسلمانوں کے فقہی مکاتب فکر میں باہمی آویزش اور تضادم کی دسیسہ کاریاں (ماضی قریب میں سود کے حلال کیے جانے کے حیلے یعنی مغالطہ آمیز دلائل)، آرٹ کے نام پر عربی و فحاشی کی اشاعت (گولیوں، قوالوں اور ناچنے گانے والیوں کی غیر معمولی پذیرائی)، کھیلوں کی بہت زیادہ سرپرستی (جو وطن عزیز کی دولت اور جوان خون کا وقت ضائع ہونے کا بڑا سبب ہوتا ہے)، سیاست سے دین و مذہب کو الگ رکھنے کی تبلیغ و تلقین، دنیوی تعلیم کی سرپرستی اور دینی تعلیم کی تحقیر و تذلیل۔

ہمارے خیال میں (یہ میاں نواز شریف صاحب کے دوسرے دور حکومت کی بات ہے) آج کل ذرائع ابلاغ میں جو دینی مدارس کے خلاف شدید مہم شروع ہے اور ان کے خلاف گریڈ آپریشن کی تیاریوں کے تذکرے ہو رہے ہیں (اُس دور کے روزنامہ نوائے وقت کی ایک خبر کے مطابق میاں صاحب نے سختی کے ساتھ یہ تجویز رد کر دی تھی)۔ وہ بھی انہی عالمی سازشوں کا حصہ ہے۔ جو مسلمانوں کو کافر بنانے کے لیے کی جا رہی ہیں۔ دینی مدارس سے لوگوں کو بدظن کرنا دین سے بدظن کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ اس وقت جو تھوڑا بہت اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور قرآن و حدیث کا نام لیا جاتا ہے وہ انہی مدارس کی وجہ سے لیا جاتا ہے۔ اس لیے ہمارے حکمرانوں کو عالم کفر کا آلہ کار بننے کے بجائے دینی مدارس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ان کی قدر کرنی چاہیے اور دینی تعلیم کو سرکاری طور پر بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ورنہ پاکستان میں بھی وہی حالات پیدا ہو سکتے ہیں جن سے اس وقت برادر اسلامی ملک ترکی دوچار ہے۔ (اس لیے اہل مدارس کا اپنی ذمہ داریوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔)

تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

﴿فَاهْدُوهُمْ﴾ میں ہے۔

﴿وَقِفُّهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ

بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿[الصّٰفّٰت: ۲۴-۲۶]

”اور انھیں ٹھہراؤ، بے شک یہ سوال کیے جانے والے ہیں۔

کیا ہے تمہیں، تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ بلکہ آج

وہ بالکل فرماں بردار ہیں۔“

اس میں مشرکین کی ذلت اور رسوائی کا ایک اور پہلو بیان ہوا ہے

کہ جب فرشتے انھیں جہنم کی طرف لے جا رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ

فرمائیں گے: انھیں ٹھہراؤ، ان سے ایک بات پوچھ لینے دو۔ آج بے

بسی کی تصویر بنے ہوئے ہوتم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟

دنیا میں تو تم اپنے معبودوں کے بارے میں کہتے تھے:

﴿هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ [یونس: ۱۸]

”یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔“

آج تم جہنم کنارے پہنچے ہوئے ہو وہ تمہارے سفارشی کہاں

ہیں؟ اور تم تو بڑے یقین سے کہتے تھے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ [الزمر: ۳]

”ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ

سے قریب کر دیں اچھی طرح قریب کرنا۔“

مگر آج قرب کیا، تم تو جہنم کا ایندھن بننے جا رہے ہو۔ تم تو

کہتے تھے:

﴿نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرُونَ﴾ [القمر: ۴۴]

”ہم ایک جماعت جو بدلہ لے کر رہنے والے ہیں۔“

﴿فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ﴾ [الصّٰفّٰت: ۲۳]

﴿فاهدوا﴾ ہدی سے ہے، یعنی راہنمائی کرنا، بتلانا، دلالت

کرنا۔ ”ہم“ کی ضمیر ظالموں، ان کے ازواج اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ

ان کے معبودوں کی طرف ہے۔ ”ہدی“ یا ہدایت کا لفظ عموماً فائدہ مند

راہ بتلانے پر ہوتا ہے اور کبھی یہ شرکی راہ بتلانے پر بھی بولا جاتا ہے۔

جیسے بشارت کا لفظ عموماً اچھی خبر کے لیے ہوتا ہے مگر کبھی یہ بری خبر کے

لیے بھی مستعمل ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [آل عمران: ۲۱، التوبة: ۳۴]

”سو انھیں ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دے۔“

یا جیسے ”ائمہ“ کا اطلاق عموماً ائمہ ہدیٰ پر ہوتا ہے مگر کبھی اس کا

اطلاق ائمہ ضلالت پر بھی ہوتا ہے، جیسے فرعون اور اس کے حواریوں

کے بارے میں فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أَيْمَةً يَذْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا

يُنصَرُونَ﴾ [القصص: ۴۱]

”اور ہم نے انھیں ایسے پیشوا بنایا جو آگ کی طرف بلا تے

تھے اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔“

اور شیطان کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَى

عَذَابِ السَّعِيرِ﴾ [الحج: ۴]

”اس پر لکھ دیا گیا ہے کہ بے شک واقعہ یہ ہے کہ جو اس سے

دوستی کرے گا تو یقیناً وہ اسے گمراہ کرے گا اور اسے بھڑکتی

ہوئی آگ کا راستہ دکھائے گا۔“

یہاں ”یہدی“ کا اطلاق جہنم کے راستے پر ہوا ہے، جیسے اوپر

ذلت کے ساتھ چلا جا رہا ہوگا اور اس کا لشکر جرار اسے سزا کے لیے پیش کر دے گا۔ کہیں کوئی پیر صاحب یا گرو جی یا ہولی فادر واصل جہنم ہو رہے ہوں گے اور مریدوں میں سے کسی کو یہ فکر نہ ہوگی کہ حضرت والا کی توہین نہ ہونے پائے۔ کہیں کوئی لیڈر صاحب کس مپرسی کے عالم میں جہنم کی طرف رواں دواں ہوگا اور دنیا میں جو لوگ ان کی کبریائی کے جھنڈے اٹھائے پھرتے تھے وہ سب وہاں ان کی طرف سے نگاہیں پھیر لیں گے۔ حد یہ کہ جو عاشق دنیا میں اپنے معشوق پر جان چھڑکتے تھے انھیں بھی اس کے حال بد کی کوئی پروا نہ ہوگی۔ اس حالت کا نقشہ کھینچ کر اللہ تعالیٰ دراصل یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتا ہے کہ دنیا میں انسان اور انسان کے جو تعلقات اپنے رب سے بغاوت پر مبنی ہیں وہ کس طرح آخرت میں ٹوٹ کر رہ جائیں گے اور یہاں جو لوگ ”ہمچو ما دیگرے نیست“ کے غرور میں مبتلا ہیں وہاں ان کا تکبر کس طرح خاک میں مل جائے گا۔“ (تفہیم: ۲۸۴/۴)

﴿بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ﴾ ایک دوسرے کی مدد کرنا تو کجا وہ آج مطیع اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیے ہوئے ہوں گے، نہ وہ اللہ ہم سے بچ سکیں گے نہ ہی کہیں بھاگ سکیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے۔

یاد رہے کہ یہ سوال مشرکین سے جہنم کی طرف جاتے ہوئے ہوگا۔ اس کے علاوہ حساب کتاب کے وقت سوالات کا دائرہ اس سے مختلف ہے۔ جہاں ہر نعمت کے حوالے سے سوال ہوگا۔ احادیث مبارکہ میں ان سوالات کی تفصیل موجود ہے۔ بلکہ رافضیوں نے کہا ہے کہ ولایت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال ہوگا۔ علامہ آلوسی نے فرمایا ہے سب سے بنیادی سوال یہ لا الہ الا اللہ کے بارے میں ہوگا۔ ولایت علی رضی اللہ عنہ کیا، ان کے بھائی خلفاء ثلاثہ کی ولایت بھی اسی کلمے کی سر بلندی کے لیے تھی۔

جو ہم ایک دوسرے کے معاون ہیں اور ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا منہ کی کھائے گا۔ مگر آج تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کر رہے۔

امام ابن جریر ابن ابی حاتم اور ترمذی وغیرہ رحمہم اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی کو کسی چیز کی طرف بلائے گا وہ قیامت کے دن اسی کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا نہ بے وفائی ہوگی نہ جدائی ہوگی۔ اگرچہ آدمی نے آدمی کی طرف بلایا ہو۔ پھر آپ نے الصفّٰت کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَقِفُّهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا

تَنصَرُّونَ ۝﴾ [الصفّٰت: ۲۶، ۲۷]

(ترمذی: ۳۲۲۸ ابن جریر وغیرہ)

یعنی وہ داعی اور وہ جس کی طرف دعوت دی گئی وہ شرک ہو یا معصیت کا عمل ہو۔

مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام ترمذی نے اسے غریب کہا ہے۔ اس میں بشر مجہول ہے اور لیث بن ابی سلیم بھی ضعیف ہے۔ امام عبد اللہ بن مبارک رحمہم اللہ نے حضرت عثمان بن زائد، جو نہایت ثقہ اور متقی بزرگ گزرے ہیں، سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے: سب سے پہلے انسان سے اس کے ساتھیوں کی بابت پوچھا جائے گا۔ اور ان سے کہا جائے گا آج کیوں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ دنیا میں تو تم کہتے تھے ہم سب ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔

(ابن کثیر)

سید مودودی لکھتے:

”بڑے بڑے ہیکٹر مجرمین کے کس بل نکل چکے ہوں گے اور کسی کی مزاحمت کے بغیر وہ کان دبائے جہنم کی طرف جا رہے ہوں گے۔ کہیں کوئی ہزیمت دھکے کھا رہے ہوں گے۔ اور درباریوں میں سے کوئی اعلیٰ حضرت کو بچانے کے لیے آگے نہ بڑھے گا۔ کہیں کوئی فاتح عالم اور کوئی ڈکٹیٹر انتہائی

اربعین اعتقادی

درس
حدیث

۷

فرائد الفوائد في جمع الأربعين من أحاديث العقائد

باب: إقرار توحيد الربوبية من الفطرة،
وقول الله تعالى:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى
شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا
غَافِلِينَ ۝﴾ [الأعراف: ۱۷۲]

۶: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال
رسول الله ﷺ: ((ما من مولود إلا يولد على
الفطرة فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو
يمجسانه كما تنتج البهيمة جمعاء هل
تحسون فيها من جدعاء ثم يقول: ﴿فطرة الله
التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك
الدين القيم﴾ (صحيح بخاری، رقم الحديث:
۱۳۵۸، صحيح مسلم، رقم الحديث: ۲۶۵۸)

توحید ربوبیت کا اقرار فطری ہے:

فرمان الہی ہے:

”اور جب تیرے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی
اولاد کو نکالا اور ان سے انھی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں
تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم
سب گواہی دیتے ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روزیوں نہ
کہنا کہ ہم تو اس سے غافل تھے۔“

۶: جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے،

پس اس کے والدین اسے یہودی بنادیتے ہیں، یا اسے
عیسائی بنادیتے ہیں، یا اسے مجوسی (آگ پرست) بنادیتے
ہیں، جیسے جانور صحیح سلامت جانور جنتا ہے، کیا تم ان میں
کوئی کان کٹا دیکھ پاتے ہو؟ پھر انھوں (ابو ہریرہ) نے یہ
آیت پڑھی: یہ وہ فطرت ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو
پیدا کیا ہے اور اللہ کی اس خلقت (فطرت) کو تبدیل نہ کرو،
یہی سیدھا دین ہے۔“

فوائد:

- ۱: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی پہچان ہر انسان کی فطرت میں
ودیعت ہے۔
- ۲: تمام لوگوں نے عالم ارواح میں توحید ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔
- ۳: ہر بچہ فطرت (اسلام و توحید) پر پیدا ہوتا ہے۔
- ۴: والدین کا کردار بچوں پر بڑا اثر انداز ہوتا ہے جیسے تمام بچے بلا
تفریق مسلم و کافر توحید پر پیدا ہوتے ہیں، توحید ان کی فطرت
میں شامل ہوتی ہے، ان کے والدین (یہودی، عیسائی، مجوسی،
ہندو وغیرہ) ان کو اس فطرت کی طرف آنے نہیں دیتے، جس کی
وجہ سے بچے کفر و شرک پر گامزن ہو جاتے ہیں۔
- ۵: بچوں کو درسِ توحید دیتے رہنا چاہیے تاکہ وہ دین فطرت پر قائم
رہیں اور کفر و شرک سے بچے رہیں۔
- ۶: فطرت سے مراد فطرتِ اسلام و توحید ہے جو ہر کسی کی سرشت میں
داخل ہے۔
- ۷: والدین کو چاہیے کتاب و سنت کے مطابق صحیح تعلیم و تربیت کے
(باقی صفحہ نمبر ۳۱ پر ملاحظہ کیجیے)

نماز کی اہمیت و تاثیر اور فیوض و برکات قرآن کی روشنی میں

مولانا حسن جامعی

يُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَهُمْ سِرًّا وَ عَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ

يَوْمٌ لَا يَبِيعُ فِيهِ وَلَا يَخْلُ ۝ [ابراہیم: ۳۱]

”میرے مومن بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیے ہوئے مال سے خرچ کریں چھپے اور کھلے اس دن سے پہلے پہلے جس دن نہ خرید و فروخت کام آئے گی، اور نہ دوستی۔“

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝ [البینہ: ۵]

”اور انھیں کوئی حکم نہیں دیا گیا مگر یہی کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے فرماں برداری کو خالص کرتے ہوئے راست رو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں اور یہی مضبوط دین ہے۔“

۳: نماز کی تاثیر اور خواص:

﴿أَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ۝ [العنکبوت: ۴۵]

”پڑھ جو تیری طرف کتاب سے وحی کیا گیا ہے اور نماز قائم رکھ۔ نماز بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے اور اللہ کا یاد کرنا بلاشبہ سب سے بڑھ کر ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“

۱: نماز اور نماز کی حفاظت ایمان والوں کا ابدی اور دائمی فرض ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ۝ [النساء: ۱۰۳]

”اور جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے بیٹھے اور کھڑے پر اللہ کو یاد کرو، اور جب حالت الطمینان میں آ جاؤ تو نماز کو اصلی حالت پر ادا کرو۔ بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے۔“

اس سے پہلی آیت میں نماز خوف کی کیفیت بیان کی گئی ہے، یعنی بحالت خوف نماز میں قصر کی اجازت ہے لیکن جب امن اور الطمینان ہو جائے تو نماز باقاعدہ اس کے اوقات پر ادا کرو۔ کیونکہ نماز اور اس کے ارکان کی حفاظت اہل ایمان کے لیے نہایت لازمی ہے:

﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝ [البقرة: ۲۳۸]

”تم اپنی نمازوں کی محافظت کرو، اور نماز وسطیٰ کی خصوصیت سے حفاظت کرو، اور اللہ کے فرماں بردار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔“ نماز کی حفاظت یہ ہے کہ اوقات نماز کو نگاہ میں رکھے اور اس کے ارکان کو حقوق کی رعایت کرے۔

۲: دین الہی کا پہلا سبق ایمان کے بعد نماز ہے:

﴿قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ

اس آیت کے بارے میں ایک مرفوع روایت ہے:

مَنْ لَمْ تَنْهَ صَلَاتِهِ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ لَمْ

تَزِدْهُ مِنَ اللَّهِ إِلَّا بَعْدًا . (ابن کثیر: ۶۱۶/۳)

”جس کی نماز نے اسے بے حیائی اور برائی سے نہیں روکا، وہ

نماز سے خدا سے دور ہٹاتی ہے۔“

ابوالعالیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ان الصلاة فيها ثلاث خصال، فكل صلاة لا

يكون فيها من هذه الخصال فليست بصلاة:

الاخلاص والخشية وذكر الله، فالأخلاص

يامر بالمعروف والخشية تنهاه عن المنكر

وذكر الله والقرآن يامر به وينهاه .

(ابن کثیر: ۴۱۵/۳)

”نماز کی تین خصلتیں ہیں جس شخص کی نماز میں یہ تین خواص

نہ ہوں وہ نماز نماز نہیں ہے۔ وہ خواص: اخلاص، خشیت اور

ذکر الہی ہیں۔ پس اخلاص نیکی کا حکم کرتا ہے اور خشیت یعنی

خوف خدا اسے بدی سے روکتا ہے اور ذکر الہی امر و نہی کا

فرض بجالاتا ہے۔“

جو شخص صحیح طریق سے نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پیش نظر

رکھے، نماز اسے گناہوں اور بے حیائیوں سے روکتی ہے۔ اس کا

بہترین نمونہ اصحاب نبی ﷺ ہیں۔

۴: نماز بے رغبتی اور کاہلی سے ادا نہیں کرنی چاہیے۔ دکھلاوے اور

نمائش کی نماز پڑھنی منافق کی علامت ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا

قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَآءُونَ النَّاسَ وَ

لَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [النساء: ۱۴۲]

”منافق اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور وہ ان کو دھوکا بازی کی

سزا دے گا اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں

لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت کم۔“

ایسی نماز جس میں انشراح و اطمینان قلب اور راحت و خوش دلی نہ ہو، وہ نماز منافق کی نماز ہے:

﴿قَوْلِيلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ

سَاهَوْنَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ ۝ وَيَسْنَعُونَ

الْبَاطِلُونَ﴾ [الماعون: ۴-۷]

”ان نمازیوں کے لیے افسوس ہے جو اپنی نماز سے غافل

ہیں جو دکھاوا کرتے ہیں اور خیرات سے روکتے ہیں۔“

یعنی نماز تو پڑھتے ہیں مگر باوجود پڑھنے کے نماز کی حقیقت سے

بے خبر ہیں۔

۵: نماز حاجت روائی کا ایک مقبول وسیلہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ

اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ [البقرة: ۱۵۳]

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز کے ساتھ مدد

مانگو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں ساتھ ہے۔“

۶: حقیقی مومنوں کی علامت اور صفت ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں

اور نماز کی حفاظت کرتے ہیں:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ

قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَ

عَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا

رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ

دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾

[الأنفال: ۲-۴]

”مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے ان کے دل

ڈر جائیں اور جب اس کی آیتیں پڑھی جائیں ان کے

ایمان بڑھ جائیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ وہ

قائم کرتے ہیں نماز اور ہمارے دیے سے خرچ کرتے ہیں۔

وہی مومن سچے ہیں۔ ان کے پروردگار کے ہاں ان کے

درجے ہیں اور بخشش ہے اور باعزت رزق۔“

”یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ نیکی کرنے والوں کے

[المائدة: ٥٥]

”تمہارے دوست اللہ اور اس کے رسول اور مومن ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکاۃ دیتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں۔“
۱۱: اپنے متعین اور بیوی بچوں کو نماز کے لیے تاکید کرنا ایمان کے بعد ہر شخص پر فرض ہے:
﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى﴾

[طہ: ۱۳۲]

”اور اپنے اہل کو نماز کا حکم دو اور اس پر مضبوط رہو۔ ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے ہم تجھے رزق دیتے ہیں اور اہل تقویٰ کا انجام اچھا ہے۔“

﴿وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا﴾ [مریم: ۵۵]

” (حضرت اسماعیل علیہ السلام) اپنے گھر والوں کو نماز اور زکاۃ کا حکم دیا کرتے تھے، اور اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھے۔“

﴿يُمْنِي أَقِمِ الصَّلَاةَ وَامْرُءٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنَّهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ [لقمن: ۱۷]

”میرے بیٹے نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک اور جو تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر۔ یہ ہمت کے کاموں سے ہے۔“

۱۲: دینی برادری اہل صلاۃ اور اہل زکاۃ کے مابین ہی بن سکتی ہے:

﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخِوْا أَنْفُسَكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفِصِلْ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾

[التوبة: ۱۱]

”پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں، اور زکاۃ دیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں، اور ان لوگوں کے لیے ہم باتیں کھول کر بیان کرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔“

۱۳: ایمان کے بعد سب سے زیادہ عزت و مدحت کی چیز نماز قائم کرنا

اور لوگوں کو نمازی بنانا ہے۔ حکومت و سلطنت کے مرتبہ پر پہنچنے کے بعد مسلمان کا کام نماز و روزہ میں مشغول و سرگرم رہنا ہوگا:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ [الحج: ۴۱]

”وہ جنہیں اگر ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز کو قائم کریں گے اور زکاۃ دیں گے اور اچھی باتوں کا حکم کریں گے اور بری باتوں سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔“

۱۴: نماز اچھی پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اچھی نماز کی توفیق کے لیے جناب باری تعالیٰ میں دعا مانگنی چاہیے:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾ [ابراہیم: ۴۰، ۴۱]

”میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی۔ ہمارے رب! میری دعا کو قبول فرما۔ ہمارے رب! میری مغفرت فرما اور میرے ماں باپ کی اور مومنوں کی بھی جس دن حساب قائم ہو۔“

۱۵: دوزخی پچھتائے گا کہ نمازی ہوتا تو دوزخ میں نہ جھونکا جاتا:

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ۚ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلُومِينَ ۚ وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمُسْكِينِ ۚ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْغَائِضِينَ ۚ﴾ [المدثر: ۴۲-۴۵]

”(اہل جنت دوزخیوں سے پوچھیں گے) تمہیں کیا چیز دوزخ میں لائی؟ کہیں گے، ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور ہم باتیں کرنے والوں کے ساتھ مل کر باتیں بنایا کرتے تھے۔“

دعاء اور اس کی قبولیت

مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ مرتب: عبدالواحد چودھری

صحابہ، صلحاء اور اولیائے کرام کا تعلق ہماری نسبت اللہ تعالیٰ سے بے حد زیادہ تھا اور پھر ان کی خدمات بھی بے شمار ہیں۔ حق کی اشاعت اور تبلیغ میں انھوں نے ناقابل فراموش سرگرمیاں دکھائی ہیں اور اس راہ میں بے حد مصائب بھی اٹھائے۔ لیکن زمین و آسمان کی ملکیت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ نہ کل کے مختار ہیں نہ جز کے۔

بعض اختیارات اللہ نے اپنی مخلوق کو دیے ہیں، مثلاً: نظر کا اختیار، ہم جس طرح چاہیں نظر کو استعمال کر سکتے ہیں لیکن یہ اختیار بھی اللہ تعالیٰ جب سلب کر لیتے ہیں تو کوئی ہستی اس کو واپس نہیں کرا سکتی۔ بچپن، جوانی یا بڑھاپے کے اندر جب چاہے آنکھوں سے محروم کر دے۔ انسان اس معاملے میں مختار مطلق نہیں ہے۔ اسی طرح انسان کے دوسرے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ کے استعمال کی نوعیت ہے۔ انبیاء ہوں یا عام آدمی سب کے ساتھ معاملے کی نوعیت یہی ہے۔ حضرت ایوب صابر پر مصائب آتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا تھے۔ بلار کاوٹ یہ اختیارات صرف اللہ تعالیٰ ہی استعمال کر سکتے ہیں۔ البتہ جزوی اختیارات اعضاء وغیرہ پر سب نیک و بد کو دیے ہیں۔ اس طرح جب ایک عقل مند آدمی غور و فکر کرتا ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی با اختیار ہے۔

ضعف الطالب والمطلوب دنیا میں کسی کو نہ تو طاقت ہے اور نہ حق ہے کہ خدا کے فیصلے کو رد کر سکے۔ قرآن اس کو بالکل واضح کرتا ہے اور سنت میں بھی اس کی پوری صراحت موجود ہے۔ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے۔ از اوّل تا آخر تمام ائمہ کرام کا یہی خیال ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ پوری امت عقائد میں متفق ہے۔ اس آخری دور میں اس معاملے کے متعلق بعض مفاد پرستوں نے

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ [البقرة: ۱۸۶]

”اور جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں پوچھیں تو انھیں بتادو کہ میں قریب ہوں، پکارنے والے کی پکار کو سنتا اور قبول کرتا ہوں۔ پس چاہیے کہ میری دعوت کو قبول کریں اور ایمان لائیں تاکہ رشد و فلاح حاصل کر لیں۔“

مسائل رمضان کے تذکرہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے دعا کا بھی ذکر کیا ہے۔ غالباً مقصد یہ ہے کہ دعا کا تعلق عبادات سے خاص ہے اور رمضان میں عبادات کثرت سے ہوتی ہیں۔ روزہ، تلاوت قرآن اور قیام لیل کا تعلق دعا سے براہ راست ہے۔ اس لیے دعا اور اس کے متعلق مسائل کا ذکر ایک عجیب انداز میں کیا ہے۔ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا سنتے ہیں اور اس کو قبول بھی کرتے ہیں۔ اس معاملے میں ایک چیز کے متعلق ذہن صاف ہونا چاہیے۔ اور وہ یہ کہ دعا کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے۔ مانگنا صرف اسی سے چاہیے اور کوئی ہستی اس قابل نہیں ہے کہ اس کو مدد کے لیے پکارا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾

[البقرة: ۲۸۴]

یعنی آسمان اور زمین اور مافیہا سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اسی کی ملکیت ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے۔ وہی مختار مطلق اور کل ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی بڑے سے بڑا چھوٹا اس اختیار میں اس کا شریک اور ساتھی نہیں ہے۔ انبیاء،

سوال اور طلب صرف خدا سے ہونا چاہیے۔ دعا کی قبولیت کے لیے کوئی نصاب اور بیان نہیں ہے اس میں کسی شخصیت کو بھی خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ نہ مانے تو وہ حضرت نوح علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کی نہ مانے اور ماننے پر آئے تو ایک گناہ گار کی مان لے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے دعا کی لیکن قبول نہ ہوئی۔

جب ہر ایک نے اسی سے مانگا ہے تو ہمیں بھی اسی سے مانگنا چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب ایک مسلمان دعا کرتا ہے تو تین چیزوں میں سے ایک اس کو ضرور حاصل ہو جاتی ہے:

⑤ دعا کی قبولیت۔

⑥ دنیا میں ہی کسی دوسرے طریقے سے اُس دعا کا بدل۔

⑦ آخرت میں اجر۔

انہی قریب:

یہاں قرب اور بعد ان معنوں میں نہیں ہے جن میں ہم انسان ایک دوسرے کے قریب اور دور ہیں۔ بلکہ ان معنوں میں ہے کہ ہر انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ سے عرض و معروض کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ دل ہی دل میں کچھ گزارش کرتا ہے تو وہ بھی سن لیتا ہے اور اس پر فیصلہ بھی کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی دعا کو رد نہیں کرتے جب تک وہ جلدی نہیں کرتا۔ صحابہ کرام نے سوال کیا کہ جلدی سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا: وہ بندہ یہ کہے کہ میں نے بہت دعائیں کی ہیں۔ لیکن میری تو اللہ ماننا ہی نہیں، قبول ہی نہیں کرتا۔

محدثین اس طریقے سے اپنے ایمان کا ستیاناس کرتے اور اللہ سے مایوس ہو کر دوسری جانب رخ کر لیتے ہیں۔ ”اللہ تعالیٰ منظور نہیں کرتا“ یہ کہنا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بدگمان ہونا معصیت ہے۔ وثوق قبولیت سے دعا کرنی چاہیے۔ مانگتے وقت ملنے کا پورا یقین رکھنا چاہیے۔ اس کی درگاہ میں پکے فقیر کی طرح جانا چاہیے کہ اس درگاہ سے لے کر ہی پلٹنا ہے اور کہیں نہیں جانا۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ دعا بالکل اسی صورت میں قبول ہو۔ (باقی صفحہ نمبر ۳۱ پر ملاحظہ کیجیے)

کہانیاں اور افسانے تراشے ہیں کہ فلاں حضرت صاحب نے یہ کر دیا اور فلاں پیر صاحب نے یہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے راستہ میں فقیروں نے رکاوٹیں پیدا کر دیں۔ اس طرح سے عوام کو گمراہ کیا گیا ہے۔ جاہل واعظ ہیرا پھیری کر کے کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ عورتوں کا اعتقاد اس معاملے میں بے حد کمزور واقع ہوا ہے۔ اولاد اور مال کی خاطر شرک کرتی ہیں۔ ایمان جیسی قیمتی متاع کسی بھی استھان پر جانے سے ضائع ہو جاتی ہے اور تمام اعمال صالح باطل ہو جاتے ہیں۔ ابو جہل بڑا پرہیزگار تھا۔ خانہ کعبہ کی جاروب کشی کیا کرتا تھا۔ حج کرتا تھا۔ حضرت ابراہیم کو اپنا پیشوا مانتا تھا۔ لیکن ہمیں یقین کامل ہے کہ وہ جہنم کا کتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس نے اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنا لیا اور خدائی کا مقام بتوں کو دے دیا۔ آج کے برائے نام مسلمانوں کا کیا حال ہے۔ شرک بھی کرتے جاتے ہیں اور ایمان کا دعویٰ بھی جاری ہے۔ کفار کم خیر ام لکم براءۃ فی الزبر۔

ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ان کے کفر میں کیا نقص تھا اور ہمارے اس ایمان و اسلام کے دعویٰ میں کیا خوبی ہے؟

خدا سے مانگیے۔ اسی سے دعا کیجیے۔ وہ ضرور قبول کرے گا۔

ع ایں درگہ مادر گہ نامیدی نیست

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

”اے اللہ میں تیری تعریف نہیں کر سکتا۔ تُو ہی اپنی تعریف کو بہت جانتا ہے۔ یہاں سے جس نے بھی لینا ہے مانگ لے گا۔ سوال کرے گا پالے گا۔“

﴿اَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾

[الفاطر: ۱۵۰]

اس کے دربار میں سب فقیر ہیں۔ اہل توحید کو گستاخی کا طعنہ دے کر توحید سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔ ادب اگر خدا کی خدائی کے حصے کرتا ہے تو یہ غلط ہے۔ ادب نہیں، حقیقت میں یہی تو بے ادبی اور گستاخی ہے۔

منکرین حدیث

حکیم اسحاق (حویلیاں)

۱۴

آج اسلام کی حقیقت اٹھ کر منکرین حدیث کے فکر و قلب میں سما گئی ہے اور اس سے باہر جو کچھ ہے وہ عجمی سازشوں کے گہرے سائے ہیں۔
جہل و عناد کی بھی حد ہے کہ قرآن کے مطابق نبی ﷺ نے جو فیصلے صادر فرمائے وہ تو تاریخی حیثیت سے قابل استناد ہی نہیں جن کے نطق و کلام کی صحت کی ضمانت خود اللہ تعالیٰ نے دی:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ﴾

[النجم: ۴، ۳]

قرآن کی تشریحات و ترجمانی میں خود حضور ﷺ کے اپنے عقل و قیاس اور ذاتی رائے کو کوئی دخل حاصل نہیں جن پر قرآن نازل ہوا۔
لیکن جہل و ضلال کی وادیوں میں بھٹکنے والا وہ راہی قرآن کے فیصلے شائع کرتا ہے اور قرآن کی تفسیر کا مدعی ہے جو مستعار عقل و قیاس کے گھوڑے سے کسی وقت اترنے کا نام ہی نہیں لیتا اور جس کا پورا لٹریچر گویا تفسیر بالرائے کے چولہے پر چڑھی ہوئی قیاسی دیگ ہے۔
اصحابِ رائے سے اجتناب:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان جس کی قدر و قیمت کبھی کم نہیں ہو سکتی جو اہرات سے تولنے کے قابل ہے:

ان عمر بن الخطاب کان يقول: اصحاب
الرأي اعداء السنن اعيتهم الاحاديث ان
يحفظوها وتفلتت ان يعوها واستحيوا حين
سئلوا أن يقولوا لا نعلم، فعارضوا السنن
برأيهم فأياكم وإياهم. (اعلام الموقعين: ۱/ ۴۵)
یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ متبعین عقل، حدیث
کے دشمن ہوا کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف سوال

اسلام کو دنیا میں قدم کٹائے ہوئے ابھی سو سال ہی ہوئے ہوں گے کہ فرقہ معزلہ نے عقل کوتاہ بین اور فکر کم اندیش کی فرماں روائی کے تحت جنت، جہنم، حشر و نشر، رؤیت باری تعالیٰ، صراط و میزان اور ماوراء العقل مسائل سے متعلق احادیث کا یکسر انکار کر دیا۔ لیکن اس انکار سے ان کے لیے ایک سخت ترین مشکل یہ پیدا ہو گئی کہ مذکورہ حقائق کا قرآن خود قائل تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنے مذاق کے خلاف آیات قرآنی کی بھی دُور از کار تاویلیں کر ڈالیں۔ چنانچہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اپنی کتاب الاحکام (۱۱۴/۱) میں تحریر فرماتے ہیں:

”اہل سنت، خوارج، شیعہ اور قدریہ تمام فرقے نبی ﷺ کی ان تمام احادیث کو جو ثقہ راویوں سے مروی ہوں، یقیناً قابلِ حجت سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معزلہ آئے اور انھوں نے اس اجماع کے خلاف کیا۔“

اطاعت رسول ﷺ کی ٹھوس بنیادوں کو متزلزل کرنے کی ابتدائی سعی کا آغاز اسی زمانے میں ہوا، اور معزلہ نے جس فتنے کا ایک باب کھولا تھا، آج وہ سیل عرم کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ لیکن اتنا فرق ضرور ہے کہ اس وقت کے معزلہ کے سامنے انکار حدیث سے مراد دین حق سے سبکدوشی نہ تھا۔ بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک معزلی عالم سے حدیث کے بارے میں جو قول نقل کیا ہے کہ صحت حدیث کے لیے اس کا عزیز ہونا شرط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اصولی غلطی اور علمی لغزش میں مبتلا ہو گئے تھے اور یہ ایک ایسی غلطی تھی جو پورے دین پر خطِ تنسیخ کھینچنے والی تھی۔

آج وہی غلطی ”ماڈرن“ شکل میں پورے اسلام کو نگل لینا چاہتی ہے اور اس سے آگے بڑھ کر اس نے حق و صداقت کا نقاب اوڑھ لیا ہے۔

کرنے والوں کے جواب میں انکار کرتے ہیں تو انھیں شرم محسوس ہوتی ہے۔ حدیثیں یاد کرنے کی توفیق انھیں میسر نہیں تو پھر وہاں اپنی رائے سے جواب دیتے ہیں اور احادیث کا مقابلہ عقل سے کرنے لگتے ہیں۔ تم ایسے لوگوں سے بچتے رہو (کیونکہ تمہارا عقل انسانی راہنمائی سے قاصر ہے۔)

ممکن ہے آپ کے اس فرمان (جو ترجمان ہے مزاج اسلام کا) سے چڑ کر ان حضرات نے اسباب زوال امت میں مذہب کو اسی وجہ سے خوب لتاڑا ہو کہ وہ عقل کو دخل اندازی کا حق نہیں دیتا۔ اگر اپنے دماغ میں مغربی طرز فکر کا بت رکھ کر قرآن کا مطالعہ نہ کیا ہوتا تو یہ حقیقت روشن ہو جاتی کہ قرآن تو سب سے زیادہ عقل و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ لیکن ایسی عقل اور رائے کا تو وہ سخت مخالف ہے جو ماوراء العقل سرحدوں میں پرواز کرے اور مقام نبوت کو چھونے لگے یا شریعت کی پابندیوں اس کی ہدایت اور اسوۂ رسول کی مکمل اتباع کو گلے کا بوجھ ثابت کر کے ان سے گلو خلاصی کی راہیں ڈھونڈنے لگے۔ معتزلہ متکلمین بھی محض عقل کی دور بین سے شریعت کی ایک بات کو دیکھنے اور پرکھنے لگے تھے۔ انھی کے فیض نگہ سے متاثر ہو کر منکرین حدیث کا ماڈرن گروپ موجودہ دور میں اٹھا ہے جس کی عقل و رائے کے کرشمے علم و بصیرت کے نام سے مشہور ہیں۔

عقل و فکر کا صحیح مقام:

قرآن عقل کو اپنے پیچھے لگانا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ اس کا اعلان ہے کہ تمہارا عقل اور اک حقیقت نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اپنا ہاتھ وحی آسمانی کے ہاتھ میں غیر مشروط طور پر نہیں دے دیتی۔ گویا عقل کا صحیح مقام آسمانی ہدایت کی پیروی ہے نہ کہ اس کا تقابل اور پیشروی۔ شریعت میں بہت سے ایسے مقامات آتے ہیں جہاں کاروان عقل بے بس ہو کر اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے اور ماوراء العقل حقائق کی کنہ معلوم کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اسے اس امر کی سخت احتیاج ہوتی ہے کہ کوئی غیبی امداد اس کا ہاتھ پکڑے اور نصب العین تک پہنچنے کے لیے اس کی ٹھیک ٹھیک

راہنمائی کرے۔ یہی تو وہ اہم مقام ہے جہاں اسلام آگے بڑھ کر اپنا تعاون پیش کر دیتا ہے اور کامل سپردگی کے بعد انسانی عقل اسلام کی پیروی میں سکون و طمانیت کا سانس لیتی اور جادہ مقصود طے کرتی چلی جاتی ہے۔ یہ ہے سیدھا سادا راستہ ہدایت یابی اور بامرادی کا۔ لیکن دور حاضر کے منکرین حدیث عقل کے پیچھے قرآن کو لگانا چاہتے ہیں اور اسی اُلٹا پھیری کا نام تو ضلالت ہے اور اسی راہ پر چلنے والے کے لیے غیبی آواز کہتی ہے ع

کیس راہ کہ تو میری بہتر کستان است

معتزلہ کی پیروی میں یہ لوگ تمام اسلامی مسائل میں ادھیڑ بن کر رہے ہیں۔ ان کا یہ الزام تو سرے سے ہے ہی غلط کہ مذہب عقل کو قریب پھٹکنے نہیں دیتا۔ بلکہ اسلام تو قدم قدم پر عقل و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ کبھی آفاق و انفس میں حقائق ڈھونڈنے کی تلقین کرتا ہے۔ کبھی کائنات کے کسی ایک شعبے کو مخصوص کر کے تلاش حق کی صدا دیتا ہے ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ﴾ ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ اسی قسم کے تمام طرز کلام میں تذکر، تفکر اور تعقل پر زور دے کر دین حق کو جاننے اور پرکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اگر یہ روشنی بھی چھین لی جاتی تو پھر حیوانوں اور انسانوں میں فرق ہی کیا رہ جاتا۔ لیکن وہ عقل کو راہنمائی کا حق قطعاً نہیں دیتا کہ فطرتاً وہ اُس منصب کی اہل نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ خدائی ہدایت کے قدم بہ قدم چلنے کے لیے آمادہ نہ ہو جائے عقل ناقص عقل کل سے اکتساب فیض کیے بغیر صراط مستقیم پر ایک قدم نہیں چل سکتی۔

مذکورہ تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عقل اور رائے کے گھوڑے پر سوار ہو جانے کے بعد منکرین کا طبقہ انکار حدیث پر کیوں مجبور ہو گیا۔ احادیث کا علم و اعتماد زندگی کے ہر موڑ پر کچھ اس انداز سے راہنمائی کرتا ہے کہ قلب و نظر مزید کسی روشنی کے محتاج نہیں رہتے اور تمام لاینحل مسائل کی گرہ آسانی سے کھلتی نظر آتی ہے۔ لیکن انکار حدیث عقل ناقص کی پیروی کا نتیجہ ہے۔ علم حدیث سے کورے لوگ نظریات و اعتقاد، معیشت و معاشرت، اخلاق و معاملات اور مذہب و سیاست پر جب طبع آزمائی کرتے ہیں تو پھر اس پر فلاسفہ یورپ ہی

بنیادی اصولوں پر قیاس کی ضربیں اسی لیے لگائی جا رہی ہیں اور اس کے ارکان و شعائر کا استخفاف اس لیے کیا جا رہا ہے کہ اس طبقے کے ذہن میں ماڈرن اسلام، مستعار افکار و نظریات اور خود تراشیدہ نظام فکر کا جو تصور موجود ہے اور جو ترقی یافتہ نظام تہذیب و اخلاق در آمد کیا جا چکا ہے، کسی طور پر اس کے اثر و نفوذ کی راہیں صاف ہو جائیں۔ جس عینک سے وہ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں وہ مقبول عام ہو جائے۔
اُسوۂ رسول ﷺ:

اب آگے چلیے! اطاعت رسول ﷺ کے بعد اُسوۂ رسول ﷺ کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟
”اُسوۂ رسول“ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا وہ عمل ہے جو آپ ﷺ نے امت کو کتاب اللہ کے مطابق کر کے دکھایا ہے، یعنی قرآنی تعلیم عملی زندگی کے رگ و پے سے اس طرح چمکنے لگے کہ اس کا کوئی لفظ کوئی جملہ اور اس کی تعلیم و ہدایت کا کوئی گوشہ عمل کی روشنی سے محروم نہ رہے تو یہ اُسوۂ رسول کہلاتا ہے۔ قرآن کی کامل تعلیم و ہدایت پر کامل عمل صرف سیرت نبوی ﷺ کی مشعل عالم افروز میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا:
﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

[الأحزاب: ۲۱]

فلاح و ترقی کے تمام اسرار آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ نے بے نقاب کر دیے ہیں۔ افکار و عقائد کی پاکیزگی کے ساتھ تہذیب و اخلاق اور کردار و عمل کا تمام حسن و کمال صرف رسول اللہ ﷺ کے طریق عمل میں سمٹا ہوا ملے گا۔ اس کے علاوہ کسی کی زندگی حسن و کمال کا معیار نہیں اور نہ کسی دوسرے کے نمونہ زندگی سے انسان پر راہ نجات کھل سکتی ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر یہ حکم دیا گیا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ

اللَّهُ﴾ [آل عمران: ۳۱]

”کہہ دیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو،

اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔“

کردار و عمل کی ایسی ہی کامل شخصیت کی پیروی سے انسان کا تعلق

وجد کرتے نظر آتے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے ژولیدہ افکار میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی اور جہالت بدوش علم و بصیرت سے تو خدا کی پناہ ہی طلب کرنا چاہیے۔
اطاعت رسول ﷺ:

دور حاضر کے ترقی پسند منکرین حدیث، معتزلہ متقدمین سے چند قدم آگے نکل گئے ہیں، یعنی انھوں نے محض اپنی عقل اور رائے کی بات منوانے کی خاطر استخفاف حدیث کے ساتھ ساتھ منصب رسالت پر بھی حملہ کر دیا ہے۔ انھوں نے پیغمبر خدا ﷺ کو محض ایک ہرکارہ کی پوزیشن میں رکھنا چاہا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول کا فریضہ تبلیغ قرآن سے ادا ہو جاتا ہے اور اطاعت صرف قرآن کی واجب ہے۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کو تاویل کی سان پر چڑھا کر کہا جاتا ہے کہ دوامی اطاعت صرف اللہ کی ضروری ہے اور رسول جب تک زندہ تھے ان کی اطاعت اس وقت واجب تھی۔ لیکن آج چونکہ وہ زندہ موجود نہیں ہیں۔ لہذا آج مرکز ملت کی اطاعت واجب ہوگی اور ان کے نزدیک مرکز ملت کے ارکان وہی لوگ ہوں گے جو تعظیم حدیث کا فائدہ گلے سے اتار کر پھینک چکے ہوں گے۔ ان کی عقل اور رائے کے نیزوں پر قرآن لٹکا ہوا ہو۔ ورنہ قائلین حدیث اور تبعین سنت کا کوئی اجتماع بھی ان کے نزدیک مرکز ملت قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ان کا کوئی فیصلہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔

اس طرح رسول کی حیثیت ایک امیر کی سی رہ گئی۔ زندگی میں جس کی اطاعت لازمی ہوتی ہے اور مرنے کے بعد اس کی اطاعت کے تمام تقاضے ختم ہو جاتے ہیں۔ گویا کتاب اللہ کے بعد اطاعت مرکز ملت کی ہوگی جو کہ زمانہ حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق قرآنی مسائل حل کرے گا۔ اس طرح سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی بنیادیں بھی ڈھا دی گئیں۔ کیونکہ جب تک اتباع اور تعظیم سنت کا احساس و تصور ختم نہ کر دیا جائے یا سرے سے اس کا مفہوم ہی بدل نہ دیا جائے، اس وقت تک ذخیرہ احادیث کو بے وقعت اور غیر ضروری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن یہ بات ذہن سے بھول نہ جانی چاہیے کہ عقل اور رائے کے رندے سے اسلامی اقدار کو اسی لیے چھیلا جا رہا ہے۔ اس کے

اپنے خالق سے استوار ہو سکتا ہے اور اس کے بغیر ع
ہرگز بمنزل خواہر سید

اگر شریعت میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت صرف ان کی زندگی
ہی میں مطلوب تھی تو قیامت تک کے انسانوں کو اطاعت الہی کے
ساتھ اطاعت رسول کا قدم قدم پر حکم دینا اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ
حسنہ کو بطور نمونہ پیش کرنا کیا مقصد رکھتا ہے؟

اتنا ہی نہیں بلکہ اطاعت رسول ﷺ کے بغیر خدا کی اطاعت بھی
غیر مقبول اور مردود ہی ٹھہرتی ہے اور جس نے رسول اللہ ﷺ کی
اطاعت کی تو اس نے خدا کی اطاعت کی:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ [النساء: ۸۰]

سوال یہ ہے کہ اطاعت رسول ﷺ کی مکمل تصویر آج کہاں
دیکھی جائے؟ صحابہ کرام کی زندگیوں میں یا آج کل کے اعاجم کی
زندگیوں میں؟ قرآنی تعلیم و ہدایت کا صحیح نمونہ عمل پیغمبر خدا کی سیرت
اور اسوہ حسنہ میں دیکھا جائے یا ائمہ مغرب کے ژولیدہ افکار و کردار
میں؟ یا خدا نا شناس تہذیب و اخلاق کے داعیوں اور تعلیم قرآن سے
محروم فلاسفوں کے اقوال ہیں؟ آخر صحیح تعلیم اور کامل عمل کا ماخذ
کون سی شخصیت ہے؟

اسلام کے نزدیک ایسی شخصیت صرف اللہ کے پیغمبر کی ہے۔ اگر
کوئی شخص پیغمبر کے متعلق اسلام کے پیدا کردہ تعلقات پر اعتماد نہیں
رکھتا تو پھر ایسے شخص کو سرے سے اپنے ایمان کی خیر منائی چاہیے۔ اگر
رسول ﷺ کو کوئی غیر معمولی منصب حاصل نہیں اور وہ صرف امارت
ہی پر فائز ہیں اور آپ ﷺ کا نمونہ عمل (اسوہ حسنہ) قابل ترین اور
اعلیٰ و اکمل حیثیت کا مالک نہیں تو اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول
اور آمنوا باللہ و رسولہ کا کیا مطلب ہے؟

اطاعت خدا تو ”اطیعوا اللہ“ میں آ جاتی ہے۔ ”اطیعوا
الرسول“ کے اضافے کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی؟ اس کا صاف
مطلب یہی ہے کہ اطاعت خدا ہو ہی نہیں سکتی جب تک اطاعت
رسول کا شرف حاصل نہ کیا جائے۔

لیکن منکرین حدیث کا گروہ رسول ﷺ کی یہ اتھارٹی چھین کر خود
قابض ہو جانا چاہتا ہے یا اس سے بے نیاز ہو کر اللہ تک پہنچنے کے
فریب میں مبتلا ہے، اور مرکز ملت کے سہارے اپنی آراء و عقائد کی
پیروی کرانا چاہتا ہے۔ کتنی اپ ٹو ڈیٹ اور چالاک ہے موجودہ دور کی
ضالیت؟ ان کے عزائم سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مرزائیوں نے گواہ
نبی کھڑا کر دیا جس کی وجہ سے وہ مسلمان جماعت سے کٹ گئے۔ لیکن اس
سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان
رسالت سے گستاخیاں داخل ایمان تصور کر لی گئی ہیں۔ احادیث کے
ذریعے مسلمانوں کا جو محکم اور غیر مفصل تعلق آنحضرت ﷺ سے ہے،
سرے سے اسے کاٹ دینے کی بھرپور کوششیں جاری ہیں۔ آپ ﷺ کو
منصب رسالت کی بلندیوں سے اتار کر ایک امیر کی پست سطح پر کھڑا کر دیا
گیا ہے۔ یہ مدعیان قرآن خالق اور مخلوق کے درمیان رفاقت کا رشتہ
استوار کرنے والے رسول ﷺ کے طریق عمل، آپ ﷺ کی سنت اور
آپ ﷺ کی راہنمائی سے آزاد اور تقریباً باغی ہو چکے ہیں۔

بعثت رسول کے مقاصد:

رسول اللہ ﷺ کی غرض بعثت معلوم کرنے کے لیے ذیل کی
آیت پر غور کیجیے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا
مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [آل عمران: ۱۶۴]

اس آیت کی روشنی میں بعثت کے تین اہم اور مستقل مقاصد معلوم
ہوتے ہیں جو منکرین حدیث کو دعوت فکر دیتے ہیں:

۱: تلاوت کتاب ۲: تزکیہ و تعلیم

۳: تزکیہ

۱- تلاوت کتاب:

اگر آپ ﷺ تلاوت کے آداب و قواعد نہ بتلاتے تو خود اہل
عرب اس کا صحیح حق تلاوت ادا کرنے سے قاصر رہتے۔ اس لیے پہلا
کام صحت تلاوت تھا۔

۲۔ تزکیہ و تعلیم:

ضروری تھا کہ رسول خدا ﷺ پہلے خود کتاب اللہ پڑھیں اور پھر عوام کو پڑھ کر سنائیں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کی مراد اور پسند بتائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عمل کرنے کی ایسی اسپرٹ پیدا کر دیں کہ انسانی اعضاء و جوارح اس کے لیے بے چین ہو جائیں اور اس طرح پیغمبر خدا بہت جلد انھیں اسلام کے پاکیزہ عقائد اور خالص اعمال سے مزین کر کے کفر کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ہدایت سے بہرہ ور کرے۔

۳۔ تزکیہ:

اگر کتاب اللہ کو کسی شارح کے بغیر یونہی چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً اس کا مقصد نزول پورا نہ ہوتا اور اس کے معانی و مطالب معلوم کرنے میں اختلاف کا طوفان خود ایک بہت بڑا فتنہ بن جاتا۔ غالب اور اقبال اپنے اپنے دور کے مشہور ادیب اور قادر الکلام شاعر گزرے ہیں۔ لیکن ان کی وفات کے بعد ان کی تصانیف اور ان کے کلام کی صحیح مراد معلوم کرنے کا جب براہ راست کوئی ذریعہ باقی نہ رہا تو ہر ایک شخص نے اپنے اپنے مذاق اور اپنے اپنے علم و فہم کے مطابق ان کی تصانیف کی شرحیں لکھنی شروع کر دیں۔ لیکن کسی غالب شناس اور اقبال دان کی شرح پر حتمی طور پر اعتماد کرنے کا آخر کیا ذریعہ ہے کہ واقعی اس کی تشریح خود مصنف کی منشاء و مراد کی ہم نوا و ہم معنی ہے۔ کیونکہ مصنفین کی اپنے کلام کی خود بیان کردہ تشریح موجود نہیں ہے۔

یہ تو دنیوی کتابوں کا حال ہے جو انسان کی روحانی زندگی میں اتنا اہم مقام نہیں رکھتیں۔ غور کیجیے کہ اگر اسی طرح کتاب اللہ کو بھی مجہول الحال اور تشنہ تفسیر و تشریح چھوڑ دیا جاتا تو ایک مکمل نظام حیات کی عملی تشکیل کے لیے کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اعمال صالح کے طفیل جو ترقیات و مدارج انسان کو حاصل کرنا تھے، کیا اس میں وہ کامیاب ہو جاتے؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا بہت بڑا احسان ہے بنی نوع انسان پر کہ اس نے اپنی راہ معلوم کرانے کے لیے اپنی طرف سے کتاب نازل فرمائی۔ انھی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمایا اور کتاب سمجھنے کا بار بھی انسان پر نہیں ڈالا بلکہ اس کے لیے بھی

شارح و مفسر اپنی طرف سے بھیجا۔ تاکہ مومنین کے اندر جا کر وہ کتاب اللہ کی صحیح تلاوت سکھائے۔ پھر اُمت کو اس کے الفاظ کی صحیح مراد، موزوں مطالب اور متعین معانی سمجھائے، یعنی اللہ کا مکتوب اللہ کا رسول ﷺ ہی پڑھ کر سنائے اور پھر وہی اپنے کردار و عمل سے وہ کچھ کر کے دکھائے جو منشاء کتاب ہے اور اس طرح وہ ایک خدا کی مقرر کردہ اتھارٹی بن جائے جو انسانی مشکلات کے حل کرنے کے لیے آخری سند ہو۔ اللہ تک پہنچنے والوں کو عملی زندگی میں کسی منزل پر اشکال و ابہام محسوس نہ ہو۔ رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ کے نور اور کتاب مبین کی روشنی میں مخلوق اپنے خالق تک رسائی حاصل کرنے میں کہیں ٹھوکر نہ کھائے۔ انسانیت کفر و ضلال کی تاریکیوں میں سدا بھٹکتے رہنے کے بجائے عروج و ارتقاء کی کہکشاں پر پرواز کرنے لگے۔ اس طرح قرآن محض دماغی کدو کاوش کا مشغلہ اور عقل و رائے کا تختہ مشق بننے سے محفوظ رہ گیا اور دین حق بالکل سادہ اور سہل ترین صورت میں امت کے ہاتھ پہنچ گیا۔ گویا حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی پوری زندگی تعلیم قرآن اور تفہیم کتاب میں صرف کر ڈالی اور اس فرض کی ادائیگی میں آپ ﷺ لہو لہان بھی ہوئے، ترک وطن بھی کیا اور دنیا بھر کے مصائب کو بھی خوش آمدید کہا۔

غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے بعثت رسول، اور کتنا بڑا ایثار ہدایت و نور ہے اسوہ رسول، اور کتنا بڑا اکمال ہے آفتاب رسالت کی انسانیت گری۔ ورنہ ہر دور کے پرویز قرآن سے کھیلنے اور جدید از جدید تفاسیر و شروح کی تعداد کون شمار کر سکتا۔ اس آفتاب ہدایت کی عملی تشریح کے بغیر دنیا کیا پاتی اور کیا سمجھتی!

بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کے صحیح مطالب معلوم کرنے میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔ قرآن کا مفہوم کچھ ہوتا اور وہ کچھ اور سمجھ لیتے۔ اس اشکال کو بھی رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل نے حل کر دیا۔ احادیث میں صحابہ کے شکوک و سوالات موجود ہیں، اور اہل علم سے مخفی نہیں کہ کس طرح نبی کریم ﷺ نے منشاء قرآن کی ٹھیک تعبیر و تشریح پیش کر کے ان کے غلجان کو دودھ فرمایا۔

قلب مومن اور نورِ ایمان

ملک حسن علی شرقپوری

ظاہر ہے کہ اس آیت میں وہ خاص دل مراد ہے۔ ورنہ دوسرا حسی اور کجی دل تو ہر ایک میں موجود ہے، یعنی قلب زندہ اور حاضر ہو بھی کلام الہی اس کے لیے فائدہ بخش ہو سکتی ہے۔

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ۝ لِيُنْذِرَ مَنِ كَانَ حَيًّا

وَيَحَقِّقَ الْقَوْلَ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝﴾ [یس: ۶۹، ۷۰]

”یہ تو صرف نصیحت ہے اور کھول کر بیان کرنے والا قرآن ہے تاکہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے اور کافروں پر قول سچ ہو جائے۔“

اس زندگی سے مراد قلبی زندگی ہے۔ ورنہ بدنی زندگی تو ہر ایک کو حاصل ہے۔

علم و ایمان کی زندگی قلب کی زندگی ہے۔ اور علم و ایمان کی موت قلب و روح کی موت ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

وفی الجہل قبل الموت موت لاهلہ

واجسامہم قبل القبور قبور

وارواحہم فی وحشۃ من جسمہم

فلیس لہم حی النشور نشور۔

شرح قلب مومن:

﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ

وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا

يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝﴾ [الانعام: ۱۲۵]

”جس کے متعلق اللہ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو ہدایت دے اس

کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کے لیے ارادہ

قلب کے دو معنی ہیں: ایک تو گوشت کا وہ ٹوٹھڑا جو صنوبری شکل کا ہوتا ہے اور سینے کے بائیں طرف رکھا گیا ہے، اس کے اندر تجویف ہے۔ اس تجویف میں خون ہے اور یہی روح کا منبع سمجھا جاتا ہے یہ صنوبری شکل کا قلب جزو جسد ظاہری ہے۔ لیکن قلب کا ایک مفہوم اس سے بہت بلند تر ہے۔ اُسے لطیفہ قلب کہتے ہیں۔ اس معنی میں وہ ایک لطیفہ ربانی و روحانی ہے۔ یہی لطیفہ ربانی حقیقت انسان ہے۔ اسی کو ادراک و عرفان ہوتا ہے۔ اس کا تعلق لحم صنوبری سے ایسا ہے جیسے مرض کا جسم سے، وصف کا موصوف سے، مکیں کا مکان سے، مستعمل آلہ کا آلہ سے ہوتا ہے۔

انسان میں اشرف ترین عضو اس کا قلب ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کی خبر رکھنے والا، اس کی طرف دوڑنے والا، اور اس سے محبت رکھنے والا ہے۔ وہی ایمان و عرفان کا محل ہے۔ وہی وحی الہی کا مخاطب ہے۔ اسی کی طرف رسول مبعوث ہوئے۔ اشرف ترین عطیات الہی یعنی ایمان اور عقل اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ باقی جملہ اعضاء قلب کے تابع اور اس کے خادم ہیں۔ اگر قلب تاریک ہو گیا تو جملہ اعضاء تاریک ہو گئے۔ اگر قلب روشن ہو گیا تو جملہ اعضاء روشن ہو گئے۔ اگر وہ سیدھا ہے تو سب اعضاء سیدھے ہیں۔ اگر وہ تندرست ہے تو سب اعضاء تندرست ہیں۔ اگر وہ بیمار ہے تو سب اعضاء بیمار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت اور خشیت کا مقام یہی قلب ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّمَنِ كَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقٰی

السَّمْعَ وَہُوَ شَہِیْدٌ ۝﴾ [ق: ۳۷]

”اس کلام میں بالیقین اس شخص کے لیے نصیحت ہے جس کا

دل ہے یا وہ کان لگاتا ہے اور اس کا دل بھی حاضر ہے۔“

مِنْهَا كَذَلِكَ زَيْنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٥٠﴾

[الانعام: ۱۲۲]

”بھلا وہ جو مردہ ہو۔ پھر ہم اسے زندگی بخشیں اور اسے ایک نور بخشیں جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلے پھرے، کیا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیروں میں ہے، اس سے نکلنے والا نہیں؟ اسی طرح کافروں کو وہ کام اچھے معلوم ہوتے ہیں جو وہ کرتے ہیں۔“

اس آیت میں اس کافر کی مثال دی ہے جو مردہ دل ہو اور جہالت کے اندھیروں میں لپٹا ہوا ہو۔ ایمان کا نور عطا کر کے اس کے مردہ قلب کو ہم نے زندہ کر دیا۔ اب وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ نور کی مشعل اس کے ہاتھ میں ہے۔

جس طرح بدن انسانی کے لیے حیات و موت اور رحمت و مرض کے احکام ہیں۔ اسی طرح قلب کے لیے بھی یہ احکام ہیں۔ اس آیت میں حیات اور نور کو جمع کر دیا۔ قلب کی زندگی اور اس قلب کے اندر ایمان کے نور کی چمک ہر خیر اور برکت کا سرچشمہ ہے اور قلب کی موت اور کفر و جہالت کی تاریکی ہر شر اور ہر فساد کا منبع ہے۔

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ٥١﴾ [الشورى: ۵۲]

”اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے ایک کلام نازل کیا جو ایک روح تھا۔ تو نہ جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اس کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں اور تو یقیناً راہ ہدایت کی طرف ان کو چلاتا ہے۔“

یہاں روح سے مراد قرآن پاک کی وحی ہے جس نے بہ یک وقت قلب کو زندگی اور تازگی بخشی اور اس میں نور ایمان کی مشعل روشن کی۔

کرتا ہے کہ اس کو گمراہی میں چھوڑ دے اس کا سینہ گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔ گویا وہ اوپر کو چڑھ رہا ہے۔ اسی طرح اللہ ان لوگوں پر ناپاکی طاری کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔“

یہ شرح صدر کیا ہے؟ یہ ایک نور ہے، سکون ہے اور اطمینانِ قلب ہے جس سے قلب میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور یہ صرف اہل ایمان کے لیے ہے۔ اس کے مقابلے میں اہل ضلال کے سینوں میں ظلمت اور تنگی واقع ہو جاتی ہے۔ ان کے سینوں میں بھلائی اور خیر کے لیے کوئی راستہ نہیں۔ حق بات آنے پر ان کا دم رکنے لگتا ہے اور امرِ حق ان کو ایک پہاڑ کی طرح نظر آتا ہے:

وَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ. قَالُوا كَيْفَ يَشْرَحُ صَدْرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ نُوْرٌ يَقْذِفُ فِيهِ وَيَنْفَسُ لَهُ. قَالُوا فَهَلْ لِّذَلِكَ مِنْ أَمَارَةٍ يَعْرِفُ بِهَا يَ قَالَ الْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ وَالتَّجَافِي مِنْ دَارِ الْغُرُورِ وَالِاسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ لِقَاءِ الْمَوْتِ.

(در منثور، تفسیر ابن کثیر: ۱۷۴ / ۲)

”نبی ﷺ سے اس آیت کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ سینے کے کھل جانے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ ایک نور ہے جو جوفِ سینہ میں داخل ہو جاتا ہے جس سے اس میں انشراح اور انبساط پیدا ہو جاتا ہے۔ عرض کیا، اس کی علامات کیا ہیں؟ فرمایا: جنت کی طرف رغبت اور دنیا سے نفرت اور موت آنے سے پہلے موت کے لیے تیاری کی فکر۔“

جہالت اور گمراہی سے سینہ تنگ ہوتا ہے اور علم و ہدایت سے سینہ کھلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَوْ مَن كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ

اور وہی ان کے صحیح معالج ہیں۔ قرآن پاک ان مریضانِ قلب کے لیے شفاء ہے۔

مریضوں کے درجات مختلف ہیں۔ کوئی کسی روحانی بیماری میں مبتلا ہے کوئی کسی بیماری میں۔ کسی کا کوئی عضو بیمار ہے اور کسی کا کوئی عضو۔ جس طرح بدن کے اعضاء ہیں قلب کے بھی اعضاء ہیں۔ قرآن پاک کہتا ہے:

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾

[الحج: ۴۶]

”تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں، ان کے دل ہوتے جن سے وہ سمجھتے یا کان ہوتے جن سے وہ سنتے۔ کیونکہ آنکھیں (ظاہری) اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دل ایک مستقل وجود ہے اور ایک مستقل ہستی رکھتا ہے۔ اس دل کے کان بھی ہیں۔ اس کی آنکھیں بھی ہیں۔ اس کو غذا کی بھی ضرورت ہے۔ یہ بیمار بھی ہوتا ہے اور بیمار قلب علاج کا بھی محتاج ہے۔ اسے موت بھی آ جاتی ہے۔ یہ دل کبھی ملائم ہوتا ہے، کبھی سخت ہوتا ہے:

﴿لَيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ﴾ [الحج: ۵۳]

”تاکہ وہ اُسے جو شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو سخت دل ہیں، آزمائش کا موجب بنا ہے۔“

اس آیت میں قلب مریض اور قلب قاسی کا ذکر ہے۔ قلب کے جملہ امراض کے لیے نسخہ شفاء قرآن پاک ہے۔ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ارواح و قلوب کی بیماریوں کے لیے میں نسخہ شفاء ہوں:

نزولِ وحی کو اسی لیے روح کہا کہ قلوب کی حیات کے لیے وحی بہ منزلِ روح ہے۔ جس طرح جسم بغیر روح کے ایک بے جان دھڑ ہے۔ اسی طرح قلب بغیر وحی کے محض میت ہے۔ اس کے اندر کوئی نور نہیں۔ کوئی روشنی نہیں۔ سورہ نحل میں فرمایا:

﴿يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنْذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ﴾

[النحل: ۲۰]

”وہ فرشتوں کو اپنے حکم سے وحی دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اُتارتا ہے تاکہ وہ خدا کے اس حکم سے ڈرائیں کہ میرے بعد کوئی معبود نہیں، مجھ سے ہی ڈرو۔“

جسم کی موت و حیات کی طرح قلب کی موت و حیات بھی ہے اور قلب کی مماثلت جسم سے صرف موت و حیات تک ہی موقوف نہیں۔ بلکہ قلب کو جسم کی طرح جملہ عوارضات پیش آتے ہیں۔ بلحاظ صحت و بیماری، قلب کے تین حالات ہیں:

۱: قلب سلیم

۲: قلب میت

۳: قلب مریض

قلب سلیم وہ ہے جو صرف اللہ ہی کی محبت کے لیے خاص ہو۔ ہر ایسی شہوت سے جس میں خدا کے امر کی مخالفت ہو اور ایسے شبہ سے جس میں خدا کی رضا سے تعارض ہو، وہ سالم ہو۔

قلب میت وہ قلب ہے کہ وہ اپنی نفسانی لذات و شہوات کا پوری طرح مطیع ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت اور اس کی ناراضگی و خوف سے قطعاً بے نیاز ہو۔ دنیا اس کی معبود ہو اور شیطان اس کا پیشوا ہو۔

قلب مریض: قلب کی بڑی بیماری جہالت ہے اور راہِ راست سے بھٹکنا ہے۔ اس قلب مریض کے علاج کے لیے اللہ تعالیٰ نے ادویہ ایمانیہ اتاریں۔ انبیاء علیہم السلام ان مریضوں کے روحانی طبیب ہیں

﴿لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ
الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ﴾ [النحل: ۳۰]

”نیک کار لوگوں کو اس دنیا میں نیک پھل ملتا ہے اور آخرت
کا گھر بہتر ہے اور اہل تقویٰ کا گھر کیا ہی اچھا ہے۔“
قرآن پاک کی ذیل کی آیت میں وحی اور قرآن کو اللہ تعالیٰ نے
صاف الفاظ میں نور فرمایا:

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ
الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

[الأعراف: ۱۵۷]

”جو لوگ اس رسول پر ایمان لائے، اس کو تقویت دی، اس
کی امداد کی اور اس نور کی جو اس کے ساتھ اُتارا گیا پیروی
کی، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“
قلب روشن ہوتا ہے وحی سے اور قلب روشن ہوتا ہے ایمان سے۔
کامل وحی محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی اور کامل ایمان محمد رسول
اللہ ﷺ کا ہے اور کامل انسان محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ روشنی صرف
ایک ہی ہے اور ایک ہی کی ہے۔ نسخہ شفاء صرف ایک ہی ہے۔ صحابہ
وسلف امت کا معاملہ شمس و کواکب کا سا معاملہ ہے۔ تمام بیماریاں اسی
شفابخانہ سے علاج پذیر ہو سکتی ہیں۔ نسخہ شفاء یہیں سے ملے گا۔

اعلان تعطیل

بہ سلسلہ عید الفطر دفتر الاعتراف ۸ تا ۱۱ اگست ۲۰۱۳ء

بندر ہا۔ اس لیے شمارہ نمبر ۳۳، ۱۶ اگست کی بجائے ۲۳

اگست ۲۰۱۳ء کو اشاعت پذیر ہوگا۔ ان شاء اللہ

قارئین نوٹ فرمائیں۔ (ادارہ)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تُكْمُ مَوْعِظَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَ
شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

[یونس: ۵۷]

”اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے
ایک نصیحت نامہ آ گیا جو سینے کی چھپی ہوئی بیماریوں کے
لیے شفاء تامہ ہے اور ہدایت نامہ اور اہل ایمان کے لیے
رحمت ہے۔“
پس جو اس سے شفاء حاصل کرے گا وہ امراضِ قلب سے نجات
پائے گا۔

دوسرے مقام پر قرآن حکیم نے فرمایا:

﴿وَنُزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ
لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾

[بنی اسرائیل: ۸۲]

”اور ہم قرآن میں وہ چیزیں اُتارتے ہیں جو سرِ اُپا شفاء اور
اہل ایمان کے لیے رحمت ہے۔ لیکن ظالموں کے حق میں یہ
الٹا خسارے کا موجب ہے۔“
قلب سلیم اور قلب صحیح جو قلبی امراض سے شفا یاب ہو جائے۔ اس
کو ایک خاص قسم کی اس جہان میں اور آئندہ جہان میں زندگی عطا
ہوتی ہے۔ قرآن پاک کی اصطلاح میں اس زندگی کا نام ہے حیات
طیبہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [النحل: ۹۷]

”جو نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا بھی
ہے۔ ہم اسے حیات پاکیزہ عطا کریں گے اور اسے اس کے
اعمال کی بہترین جزا دیں گے۔“

پھر فرمایا:

امام دارالہجرت حضرت امام مالک رحمہ اللہ

مولانا حافظ محمد اسحاق رحمہ اللہ

ساتھ شریک رہے ہیں۔ امام صاحب کے دادا (ان کا نام بھی مالک ہے) کبار تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عمر، حضرت طلحہ، حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور ان چار آدمیوں میں سے ایک ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تجہیز و تکفین کے بعدرات کے وقت قبر کی طرف اٹھا کر لے گئے تھے۔ اور باغیوں کے علی الرغم ان کے جسم کو سپرد خاک کیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب اپنے عہد حکومت میں قرآن مجید کے متعدد نسخے نقل کرا کے مختلف ممالک میں بھیجے تھے تو یہ بھی ان کی طرف سے قرآن حکیم نقل کرنے کی خدمت پر مامور تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز امور سلطنت میں ان سے مشورہ طلب کیا کرتے تھے۔ امام صاحب کے والد اور ان کے چچا ابوسہیل نافع بڑے پایہ کے محدث تھے۔ امام صاحب موطا میں اپنے چچا ابوسہیل سے روایات بھی ذکر کرتے ہیں۔ (الدیباج المذہب)

حلیہ:

امام صاحب کا قد دراز اور جسم بھاری تھا، سر بڑا، آنکھیں موٹی، موٹی، رنگ سفید سرخی مائل، ناک اونچی سر کے اگلے حصے میں قدرتی طور پر بال نہیں تھے۔ داڑھی سفید اور اتنی بھاری تھی کہ پورے سینے کو ڈھانپنے ہوئے تھی۔ آپ بڑے خوب صورت اور قوی الجثہ تھے۔ مختلف اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ شاذ و نادر مہندی بھی لگاتے تھے۔ اکثر داڑھی سفید ہی رہنے دیتے تھے۔

لباس:

امام صاحب بڑے خوش پوش تھے۔ مدینہ کے علاوہ عدن، خراسان اور مصر کے قیمتی، سفید اور باریک کپڑے پہنا کرتے تھے۔

مالک بن انس نام، ابو عبد اللہ کنیت، امام دارالہجرت لقب، ایک قول کے مطابق ربیع الاول ۹۳ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور بقول واقدی وغیرہ والدہ کے پیٹ میں تین سال رہے۔ سلسلہ نسب حمیر بن سبا کے ایک شخص ذوالحجۃ قحطانی سے جاملتا ہے۔ جس کی وجہ سے ”اصحی“ کہلائے۔ بعض لوگوں نے ان کو مولیٰ تیم بن مرہ کہا ہے، یعنی بنو تیم کے آزاد کردہ غلام۔ مگر یہ صحیح نہیں، چنانچہ امام صاحب کے عم محترم ابوسہیل کہتے ہیں:

نحن قوم من ذی اصبح قدم جدنا المدینۃ
فتزوج فی التیمین فکان معہم ونسبنا
الیہم . (الدیباج المذہب فی اعیان علماء
المذہب لابن فرحون، ص: ۱۷)

یعنی ہم ذوالحجۃ کی اولاد ہیں۔ ہمارے دادا نے مدینہ آ کر خاندان بنو تیم میں شادی کر لی تھی۔ اور ان کے ساتھ ہی رہنا سہنا شروع کر دیا تھا اس لیے ہم ان کی طرف منسوب ہو گئے۔

اس قول سے معلوم ہوا کہ مولیٰ بنو تیم سے مراد بنو تیم کے آزاد کردہ غلام نہیں بلکہ ان سے مراد ان کے حلیف اور معاون ہیں۔ مصعب بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کے جد امجد مالک بن ابی عامر حاکم یمن کے ظلم سے تنگ آ کر مدینہ آ گئے تھے اور بنو تیم کے کسی شخص کے ساتھ معاہدہ حلف کر لیا تھا اور اس کے پاس ہی ٹھہر گئے تھے۔

(الانقاء لابن عبد البر، ص: ۱۲)

علم سے خاندانی تعلق:

امام صاحب کے والد انس کے جد امجد ابو عامر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اور بدر کے سوا تمام غزوات میں آپ ﷺ کے

پہن لو۔ پھر انھوں نے مجھے صاف ستھرا اور چست لباس پہنایا۔ سر پر ایک لمبی ٹوپی رکھی اس پر پگڑی باندھی اور کہا اب جاؤ اور پڑھو۔ ربیعہ کے پاس جاؤ اور علم سے پہلے ان کا ادب اور طور طریقہ دیکھو۔

امام صاحب فرماتے ہیں ایک دفعہ والد صاحب نے مجھ سے اور میرے بڑے بھائی سے جو امام دین شہاب زہری کے ہم عصر تھے ایک مسئلہ پوچھا۔ بھائی صاحب نے صحیح جواب دیا لیکن میں صحیح جواب دینے سے قاصر رہا۔ والد صاحب نے ایک طنز فرمائی جس نے ہمیں زکا کام دیا۔ اس کے بعد میں نے متواتر آٹھ سال ابن ہرمز کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے صرف کیے اس مدت میں کسی دوسرے استاد کے پاس نہیں گیا۔ اب تو میرے شوق کا یہ حال تھا کہ گھر سے جاتے وقت کچھ کھجوریں ساتھ لے جاتا اور استاد صاحب کے بچوں کو اس لیے دیتا کہ اگر کوئی شخص آ کر استاد کو بلائے تو کہہ دیا کریں کہ مصروف ہیں۔ اب باہر نہیں آ سکتے۔ علم کی راہ میں صعوبتیں:

یہ صحیح ہے کہ دوسرے ائمہ دین کی طرح امام مالک رحمہ اللہ کو تحصیل علم میں مختلف بلاد اسلامیہ کی طرف سفر و سیاحت کی تکلیفیں برداشت نہیں کرنا پڑیں۔ قدرت نے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع گھر میں ہی فراہم کر دیے تھے۔ تاہم علم کے راستے میں جو صعوبتیں پیش آئیں امام صاحب نے ان کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ کمال استقلال کے ساتھ ان پر غالب آئے۔ اور علم و فضل کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ چنانچہ حجاز کی جھلسا دینے والی لوہا اور چلچلاتی دھوپ میں دوپہر کے وقت نافع مولیٰ ابن عمر سے سبق پڑھنے کا وقت مقرر تھا۔ امام صاحب بلا ناغہ گرمی کی یہ شدت برداشت کرتے۔ مگر تحصیل علم میں فرق نہ آنے دیتے۔ موسم سرما میں ابن ہرمز کے ہاں جاتے ہوئے سخت سردی محسوس ہوتی تو اس سے بچنے کے لیے روٹی سے بھرا ہوا جانگیا استعمال کرتے تھے۔ خود فرماتے ہیں میں نے ابن ہرمز سے تیس سال استفادہ کیا ہے۔

اساتذہ:

امام مالک رحمہ اللہ نے ابوعثمان ربیعہ اور ابن ہرمز کے علاوہ بہت

ایک دفعہ ان کے طبلسان کی قیمت کا اندازہ پانچ سو درم کیا گیا۔ بہترین اور عمدہ خوش بو بہ کثرت استعمال کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر نعت کرے تو اس کا اثر اس پر ہونا چاہیے۔ پگڑی باندھتے وقت اس کا ایک بل ٹھوڑی کے نیچے سے لاتے اور دونوں کنارے دونوں کندھوں کے درمیان ڈال دیتے تھے۔ چاندی کی انگٹھی پہنتے تھے۔ اس کا گلینہ سیاہ پتھر کا تھا جس میں حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ کندہ تھا۔ ساری زندگی اپنا مکان نہیں بنایا کرائے کے مکان ہی میں ساری عمر گزار دی۔ (الدبیاج)

خوراک:

ہر روز دو درہم کا گوشت خریدتے تھے۔ اپنے باورچی سلمہ کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ جمعہ کے دن ان کے اور ان کے اہل و عیال کے لیے با فراغت کھانا تیار کیا کرے۔ مطرف کہتے ہیں اگر کسی دن گوشت خریدنے کے لیے دو درہم پاس نہ ہوتے تو گھر کا کوئی سامان فروخت کر دیتے مگر گوشت ضرور منگواتے۔ ابن ابی حازم کہتے ہیں میں نے امام صاحب سے پوچھا آپ مختلف موسموں میں کیا پیتے ہیں؟ فرمانے لگے گرمیوں میں شکر اور سردیوں میں شہد استعمال کرتا ہوں۔ آپ کے صاحبزادے محمد کہتے ہیں میری پھوپھی والد صاحب کے پاس ہی رہتی تھی۔ وہی ان کا ناشتہ تیار کرتی تھیں۔ جو روٹی اور زیتون کے تیل پر مشتمل ہوتا تھا۔ ابتدا میں تنگ دست تھے۔ چار سو دینار کے سرمائے سے تجارت کرتے تھے جس سے قوت لایموت حاصل ہو جاتی تھی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے تنگی دور کر دی اور خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

طلب علم:

جیسا کہ معمول ہے امام صاحب نے بچپن ہی میں علم حاصل کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ یزنی کہتے ہیں میں نے امام مالک کو ربیعہ کے حلقہ درس میں دیکھا۔ جب کہ آپ ابھی بہت چھوٹے تھے۔ خود امام صاحب کا بیان ہے کہ میں نے والدہ سے کہا امی جان! میں آج پڑھنے جاؤں گا۔ کہنے لگی ذرا ٹھہرو پہلے شان علم کے مطابق کپڑے

سے ائمہ حدیث سے علم حاصل کیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ان کی تعداد نو سو بیان کی ہے۔ ان میں سے تین سوتالعی اور باقی چھ سوتابعی ہیں۔ (تہذیب الاسماء)

مشہور ترین اور قابل ذکر یہ ہیں: نافع مولیٰ ابن عمر، امام ابن شہاب زہری، عبداللہ بن دینار، محمد بن منکدر اور ابو عثمان ربیعۃ الرائی وغیرہ۔ یہ سب تابعی ہیں اس لیے امام صاحب ان کے شاگرد ہونے کی وجہ سے تبع تابعی ہیں۔

اساتذہ کا انتخاب:

امام صاحب اساتذہ کے انتخاب میں بہت محتاط واقع ہوئے تھے۔ ہر مدعی علم سے استفادہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ جب تک کسی استاد کی دیانت، امانت، صداقت، کمال حفظ، خدا ترسی اور متعلقہ علم میں مہارت تامہ کا یقین نہیں ہو جاتا تھا اس سے علم حاصل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں میں نے دو سال حج کے موقع پر ایوب سختیانی کو دیکھا مگر اس سے کوئی حدیث نہیں لکھی۔ تیسرے حج میں چاہ زمزم کے پاس انھیں بیٹھے ہوئے پایا۔ جب رسول اللہ ﷺ کا نام سنتے تو اس قدر روتے کہ مجھے ان پر رحم آتا۔ آنحضرت ﷺ سے ان کی یہ محبت اور شیفگی دیکھ کر میں نے ان سے احادیث لکھنا شروع کیں۔ یہ بھی فرمایا: میں نے مدینہ طیبہ میں علماء کی ایک ایسی جماعت کو پایا جن سے لوگ علم حاصل کرتے تھے۔ مگر میں نے ان سے ایک حرف نہیں پڑھا۔ ان میں سے کچھ تو وہ تھے جو علم میں جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ مگر عام گفتگو میں جھوٹ بولنے کے عادی تھے۔ میں نے ان کو جھوٹ بولنے کی وجہ سے ترک کر دیا۔ کچھ ایسے تھے جو اپنی بیان کردہ احادیث کا معنی نہیں سمجھتے تھے اس لیے میں نے ان کو تعلیم دینے کے قابل نہیں سمجھا اور کچھ بد عقیدہ تھے۔

ابن ابی اویس کہتے ہیں میرے ماموں امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ علم دین ہے اس لیے پہلے اچھی طرح سوچ لو کہ تم دین کس سے سیکھنے لگے ہو۔ میں نے ستر آدمیوں کو دیکھا ہے کہ مسجد نبوی کے ستونوں کے پاس قال رسول اللہ قال رسول اللہ کہہ کر درس حدیث دیا کرتے تھے۔

میں نے ان میں سے کسی سے علم نہیں سیکھا۔ حالانکہ ان میں ہر شخص اتنا دیانت دار تھا کہ اگر ایک خزانہ بھی اس کے سپرد کیا جائے تو اس کی امانت اور دیانت پر پورا پورا اعتماد کیا جاسکتا تھا مگر میرے نزدیک وہ علم حدیث پڑھانے کے اہل نہیں تھے۔ ہاں جب امام زہری مدینہ میں تشریف لائے تو ہم طلباء کا ان کے دروازہ پر اثر دھام ہو جاتا تھا امام صاحب چار آدمیوں سے علم حاصل کرنا ناجائز نہیں سمجھتے تھے:

۱: بے وقوف

۲: بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو۔

۳: جھوٹا آدمی جو عام گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو۔ خواہ حدیث میں جھوٹ نہ ہی بولے۔

۴: ایسا عبادت گزار صوفی جو اپنی بیان کردہ حدیث کا مطلب نہیں سمجھتا۔ (الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء لابن عبدالبر، ص: ۱۶)

امام صاحب فرماتے ہیں ایک دفعہ ایک بزرگ ہمارے پاس دن بھر بیٹھے احادیث بیان کرتے رہے مگر ہم نے ان سے ایک حدیث بھی نہیں لی۔ ہم ان پر کوئی تہمت نہیں لگاتے بات صرف یہ ہے کہ وہ حدیث بیان کرنے کے قابل نہیں تھے۔

بشر بن عمر کہتے ہیں میں نے امام صاحب سے کسی آدمی کی ثقاہت کے متعلق دریافت کیا۔ فرمانے لگے تم نے اسے میری کتابوں میں دیکھا ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا بولے اگر وہ ثقہ ہوتا تو میری کتابوں میں موجود ہوتا۔ (الانتقاء)

اساتذہ کے انتخاب میں امام صاحب کی یہی احتیاط ہے جس کی وجہ سے سفیان بن عیینہ ان کے حق میں فرماتے ہیں:

ما رأیت احدا اجود اخذا للعلم من مالک
وما کان اشد انتقاء للرجال والعلماء .

(الدیاج المذهب، ص: ۲۱)

یعنی میں نے مالک سے بڑھ کر بہتر اور عمدہ طریق پر عمل حاصل کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ علماء اور روایات کے انتخاب میں وہ بڑے سخت تھے۔

اہل عراق سے روایت نہ کرنے کی وجہ:

چونکہ اہل عراق شیوخ کے انتخاب میں یہ احتیاط ملحوظ نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ ہر قسم کی رطب و یابس جمع کرنے میں اپنا کمال سمجھتے تھے اس لیے امام مالک نے ان سے روایت کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ ابو مصعب جو امام صاحب کے شاگرد اور مشہور محدث ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اہل عراق سے کیوں روایت نہیں کی؟ جواب میں فرمایا کہ میں ان سے روایت کیا کروں؟ میں نے ان کو دیکھا ہے کہ وہ یہاں آ کر ایسے لوگوں سے حدیث سیکھتے ہیں جن پر وثوق نہیں کیا جاسکتا۔ ابو مصعب کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ وہ اپنے شہر میں بھی ایسے ہی لوگوں سے روایت کرتے ہیں۔ (اسعاف الربط للبیوطی، حیات مالک سید سلیمان ندوی، ص: ۲۵، ۲۶)

یہی وجہ ہے کہ اہل حجاز کی حدیث علماء فن میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ اور اہل عراق (خصوصاً اہل کوفہ) کی حدیث بغیر پوری چھان پھٹک کے ناقابل اعتنا سمجھی جاتی۔ مگر آج کل بعض حلقوں کی طرف سے اس کمی کو درایت کا رنگ دے کر پورا کرنے کی کوشش جاری ہے لیکن اس سے حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔

اساتذہ کا احترام:

امام صاحب اساتذہ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ پڑھتے وقت کوئی ایسی بات نہیں کرتے تھے جو اساتذہ کو ناراض کر دے، بے جا اور غیر ضروری سوالات سے اجتناب کرتے تھے۔ اگر اساتذہ کی طبیعت میں انقباض محسوس کرتے تو سبق دوسرے دن پر ملتوی کر دیتے تھے۔ اور اپنے فائدہ پر اساتذہ کی خوش نودی کو بہر حال مقدم سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”میں نافع سے علم حاصل کرنے کے لیے دوپہر کو چل پلاتی دھوپ میں اس وقت جایا کرتا تھا جب کسی درخت وغیرہ کا سایہ میسر نہیں آتا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر ان کے نکلنے کا انتظار کرتا تھا جب وہ نکلنے تو میں کچھ وقت دور خاموش کھڑا رہتا جیسا کہ میں نے انھیں دیکھا ہی نہیں۔ پھر خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتا اور چپ چاپ ان کے ساتھ چلنے لگتا۔

جب وہ بلاط (صحن مسجد) میں اطمینان سے بیٹھ جاتے تو میں سبق شروع کرتا اور پوچھتا کہ فلاں فلاں مسئلہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کیا کہا ہے؟ وہ جواب دیتے چونکہ وہ کچھ تیز مزاج تھے اس لیے میں اس خیال سے کہ بوجھ محسوس نہ کریں جلد سبق بند کر دیتا تھا۔“ (الدبیاج المذہب، ص: ۲۰)

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں میں نے امام مالک کو دیکھا کہ وہ زید بن اسلم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں گھوڑے پر سوار کرنے کی حدیث کے متعلق سوال کر رہے ہیں۔ بڑی نرمی اور ملاطفت سے پوچھ رہے تھے۔ ایک ہی دفعہ متعدد سوال نہیں کرتے تھے بلکہ ایک بات حل ہو جانے کے بعد دوسری پوچھتے اور ایک سوال کا جواب ملنے کے بعد دوسرا سوال کرتے۔ (الانقضاء لابن عبد البر)

حفظ و اتقان:

حافظہ بلا کا پایا تھا۔ ائمہ حدیث نے شان دار الفاظ میں ان کے حفظ و اتقان کی شہادت دی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں:

الامام الحافظ فقیہ الامۃ شیخ الاسلام۔ امام نووی فرماتے ہیں:

اجمعت طوائف العلماء علی الاذعان لہ بالحفظ والتثبت۔

یعنی اہل علم کی تمام جماعتوں نے بالاتفاق امام صاحب کے حفظ اور ثبت فی الحدیث کو تسلیم کیا ہے۔

ایک دفعہ امام زہری مدینہ منورہ تشریف لائے۔ امام مالک اپنے شیخ ربیعہ کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام زہری نے چالیس سے زیادہ حدیثیں بیان کیں۔ دوسرے دن یہ پھر حاضر ہوئے۔ امام زہری فرماتے لگے: ”کتاب لاؤ میں آپ لوگوں سے کچھ احادیث بیان کرتا ہوں لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ کل جو میں نے احادیث بیان کی تھیں ان میں سے تمہارے پاس کیا رہا؟ ربیعہ کہنے لگے: ”یہاں ایک شخص موجود ہے جو کل کی بیان کردہ تمام احادیث بلا کم و کاست زبانی سنا دے گا۔“ امام زہری نے کہا: ”وہ کون ہے؟“ ربیعہ نے کہا: ابن ابی

حدیث کس سے روایت کی ہے؟ بولے: ”ہم کبھی بے وقوفوں کی مجلس میں نہیں بیٹھے۔“
علم و فضل:

اگرچہ امام صاحب کے علم و فضل پر کچھ لکھنا سورج کے وجود پر دلائل و براہین لانے کے مترادف ہے اور محض تحصیل حاصل، مگر چونکہ ائمہ فن نے ان کے فضائل و مناقب نہایت دل نشین انداز میں بیان کیے ہیں۔ اور سنت رسول کی نشر و اشاعت میں ان کی کوششوں کو شان دار الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا ہے۔ اس لیے ہم بھی ان کے تاثرات کو ناظرین کے مطالعہ میں لانا مناسب سمجھتے ہیں۔

امام صاحب کے علم و فضل پر اس سے بڑھ کر کون سی اعلیٰ اور روشن تردیل ہو سکتی ہے کہ وہ با اتفاق علماء رسول اللہ ﷺ کی اس پیشین گوئی کے مصداق ہیں جو آپ نے ان کی پیدائش سے تقریباً ایک سو سال پہلے فرمائی تھی:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ

یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل فلا یجدون عالما اعلم من عالم المدینۃ .

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وقت آنے والا ہے کہ لوگ دور دراز ممالک سے اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں گے مگر مدینہ کے عالم سے بڑا کوئی عالم نہیں پائیں گے۔

ابوموسیٰ اشعری کے الفاظ یہ ہیں:

یخرج الناس من المشرق والمغرب فلا

یجدون عالما اعلم من عالم المدینۃ .

یعنی لوگ مشرق اور مغرب سے علم کی تلاش میں نکلیں گے مگر مدینہ کے عالم سے کوئی بڑا عالم نہیں پائیں گے۔

سفیان بن عیینہ، ابن جریر اور عبد الرزاق وغیرہ کہتے ہیں کہ عالم مدینہ سے مراد امام مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابن عیینہ کہتے ہیں پہلے میرا خیال تھا کہ اس پیش گوئی کا مصداق سعید بن مسیب ہیں پھر میں نے کہا

عامر (یعنی امام مالک) امام زہری میری طرف متوجہ ہو کر بولے بیان کرو۔ میں نے بیان کرنا شروع کیا جب میں چالیس احادیث سنا چکا تو امام زہری متعجب ہو کر فرمانے لگے: میں نہیں سمجھتا کہ یہ احادیث میرے سوا کسی اور کو بھی یاد ہوں گی۔ (الانقضاء لابن عبد البر، ص: ۱۸)

عقل و دانش:

امام صاحب بڑے ذہین اور عقل مند تھے۔ تمام علماء نے ان کی عقل و دانش پر اتفاق کیا ہے۔ ان کے شیخ ربیعہ انھیں آتے دیکھ کر کہا کرتے تھے جاء العاقل یعنی دانش مند آدمی آ گیا۔
عبد الرحمن بن مہدی فرماتے ہیں:

ما رایت محدثا احسن عقلا من مالک .

میں نے امام مالک سے بڑھ کر بہتر اور عقل مند کوئی محدث نہیں دیکھا۔

ابو جعفر منصور نے امام صاحب سے حلت اور حرمت کے متعلق چند مسئلے پوچھے آپ کا جواب سن کر بولا:

انت واللہ اعقل الناس واعلم الناس .

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۹۵)

بخدا آپ سب لوگوں سے عقل و علم میں بڑھے ہوئے ہیں۔

امام احمد فرماتے ہیں:

قال مالک ما جالست سفیہا قط وهذا امر لم یسلم منه غیرہ ولا فی فضائل العلماء اجل من هذا فذكر یوما شیئا فقیل له من حدثك بهذا فقال انا لم نجالس السفهاء .

(الذبیاج المذهب، ص: ۲۰)

یعنی امام مالک فرماتے تھے: ”میں نے کبھی کسی بیوقوف کی ہم نشینی نہیں کی۔“ یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے دوسرے لوگ نہیں بچ سکے۔ اور درحقیقت علماء کے فضائل میں اس سے بڑھ کر دوسری کوئی فضیلت نہیں ہے۔ ایک دن انھوں نے کوئی حدیث بیان کی۔ کسی نے سوال کیا کہ آپ نے یہ

امام مالک کا درس کمال عروج پر تھا اس لیے قدرتی طور پر طلباء کے قافلوں کا رخ اس طرف ہو گیا اور رسول کریم ﷺ کی مندرجہ بالا پیش گوئی آپ ﷺ کے حق میں ثابت ہوئی:

۱: امام اوزاعی رحمہ اللہ: ملک شام کے امام حدیث اور سب سے بڑے فقیہ امام مالک کی وفات سے بیس سال پہلے انتقال فرما گئے۔

۲: امام سفیان ثوری رحمہ اللہ: کوفہ و بصرہ کے امام حدیث اور مشہور فقیہ امام مالک کی وفات سے ۱۸ سال پہلے انتقال فرما گئے۔

۳: امام شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ: محدث بصرہ امام مالک کی وفات سے ۲۹ سال پہلے انتقال فرما گئے۔

۴: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: فقیہ کوفی امام مالک کی وفات سے ۳۰ سال پہلے انتقال فرما گئے۔

۵: یحییٰ بن سعید انصاری مدنی امام مالک کی وفات سے ۳۵ سال پہلے انتقال فرما گئے۔

۶: امام ابن جریج مکی امام مالک کی وفات سے ۳۰ سال پہلے انتقال فرما گئے۔

۷: هشام بن عروہ مدنی امام مالک کی وفات سے ۳۰ سال پہلے انتقال فرما گئے۔

۸: لیث بن سعد۔ امام مصر امام مالک کی وفات سے ۱۳ سال پہلے انتقال فرما گئے۔

امام مالک کے مدنی شیوخ جن کے حلقہ ہائے درس بہت وسیع تھے اور ان کی وفات کے بعد امام صاحب ان کے جانشین ہوئے:

۹: حضرت نافع مولیٰ ابن عمر امام مالک کی وفات سے ۶۰ سال پہلے انتقال فرما گئے۔

۱۰: ابو عثمان ربیعہ الرائی فقیہ میں امام مالک کے مشہور استاد امام مالک کی وفات سے ۴۲ سال پہلے انتقال فرما گئے۔

امام مالک اپنے شیوخ اور ہم عصر ائمہ حدیث کی نظر میں:

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن لوگوں سے میں نے علم سیکھا ہے۔ ان میں کوئی شاذ و نادر ہی ایسا شخص ہوگا جو اپنی وفات سے پہلے میرے

سعید اپنے وقت میں تنہا درس حدیث دینے والے نہیں تھے بلکہ سلیمان اور سالم بن عبد اللہ وغیرہ کبار اہل علم کے حلقہ ہائے درس بھی موجود تھے۔ اب میری رائے یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے اس فرمان کے مصداق امام مالک رحمہ اللہ ہی ہیں۔ (الذبیان، ص: ۱۴)

ایک قول میں سفیان بن عیینہ نے عمری زاہد کا نام بھی لیا ہے۔ اور اس پر حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں:

لیس العمری هذا ممن یحلق فی العلم والفقہ بما لک وان کان عابدا شریفا۔

(الانتقاء لابن عبد البر)

یعنی یہ عمری زاہد اگرچہ عبادت گزار اور شریف ہیں لیکن علم وفقہ میں امام مالک کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لم یتعلم احد من العمری الزاهد التفسیر والحديث والفتیاء۔

یعنی (امام مالک کی طرح) عمری زاہد سے علم تفسیر، علم حدیث اور فتویٰ نویسی کا فن کسی نے نہیں سیکھا۔

اگر واقعات اور حقائق پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی جو مجملہ آپ ﷺ کے معجزات کے ایک معجزہ ہے، امام مالک پر ہی چسپاں ہوتی ہے۔ کیونکہ امام صاحب کے زمانے میں مدینہ اور دوسرے بڑے بڑے اسلامی شہروں کے ممتاز صاحب حلقہ ائمہ حدیث انتقال فرما چکے تھے اور ان کے مقابلے کا دوسرے شہروں میں عموماً اور مدینہ منورہ میں خصوصاً کوئی دوسرا حلقہ موجود نہیں تھا۔ اس لیے علی الاطلاق تمام ممالک کے طلباء امام مالک کے حلقہ کی طرف رجوع کرنے لگے۔

اب ہم ان ائمہ کا نام پیش کرتے ہیں جو امام صاحب سے پہلے مختلف ممالک میں مرجع خلافت تھے۔ اطراف و اکناف عالم کے طلباء ان کے حلقہ ہائے درس سے اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ مگر ان کے انتقال کے بعد علم و عرفان کے وہ شیریں چشمے خشک ہو گئے۔ اس وقت

پاس نہ آیا ہوا اور مجھ سے فتویٰ نہ پوچھا ہو۔ (ابن خلکان: ۴۳۹/۱)

عبدالرحمن بن مہدی سے کسی نے کہا مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ کہتے ہیں: ”امام مالک امام ابوحنیفہ سے زیادہ عالم ہیں۔“ عبدالرحمن بولے: ”میں صرف یہی نہیں کہتا بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ امام ابوحنیفہ کے استاذ (حماد) سے بھی زیادہ عالم ہیں۔“

امام شافعی فرماتے ہیں اگر سفیان بن عیینہ اور امام مالک نہ ہوتے تو حجاز سے علم کا خاتمہ ہو جاتا۔

ابن ماجہون کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم! امام مالک مجھ سے حدیث زیادہ جانتے تھے۔

عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں میں صحیح صحیح حدیث بیان کرنے میں کسی کو امام مالک پر مقدم نہیں سمجھتا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے مختلف مؤکد اور حلیفہ سوالات کے جواب میں امام محمد (شاگرد رشید امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) نے تسلیم کیا کہ امام مالک کتاب وسنت، اقوال صحابہ کرام اور فتاویٰ تابعین عظام کا علم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ رکھتے تھے۔ اس پر امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

لم یبق الا القياس والقياس لا يكون الا على هذه الاشياء فمن لم يعرف الاصول فعلى اى شىء يقىس؟ (تقدمة الجرح والتعديل، ص: ۱۳،

تاریخ ابن خلکان، ص: ۴۳۹، الديباج المذهب)

یعنی یہ اصول قیاس ہیں۔ جو شخص ان کو نہیں جانتا وہ اپنے قیاس کی بنیاد کچیز پر رکھے گا؟

نتیجہ یہ نکلا کہ فقہی مسائل میں بھی امام مالک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بڑھے ہوئے ہیں اور ان کا مسلک زیادہ صحیح اور اقرب الی الکتاب والسنت ہے۔

امام ابو حاتم کہتے ہیں: ”امام مالک ثقہ ہیں، حجاز کے امام ہیں اور زہری کے جملہ تلامذہ سے زیادہ حافظ ہیں۔ جب اہل حجاز حدیث بیان کرنے میں امام مالک کی مخالفت کریں تو امام مالک کے قول کو ترجیح ہوگی امام مالک کی سند اور حدیث صاف ستھری ہوتی ہے۔ ان کی حدیث سفیان ثوری اور امام اوزاعی سے زیادہ صاف ہوتی ہے۔ وہ

زہری کی حدیث میں سفیان بن عیینہ سے زیادہ قوی ہیں۔ اور اس کی نسبت بہت کم غلطی کرتے ہیں وہ معمر اور ابن ابی ذئب سے بھی زیادہ قوی ہیں۔ (تقدمہ)

امام نسائی فرماتے ہیں: ”میرے نزدیک تابعین کے بعد امام مالک رحمہ اللہ سے زیادہ سمجھ دار اور جلیل القدر کوئی آدمی نہیں ہے۔ وہ بڑے ثقہ قابل اعتماد اور حدیث میں بے حد امانت دار ہیں۔ ضعیف راویوں سے بہت کم روایت کرتے ہیں۔ ہمارے علم میں انھوں نے سوائے عبدالکریم کے کسی متروک سے حدیث بیان نہیں کی۔“

(تہذیب التہذیب: ۹/۱۰)

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں امام مالک صحیح حدیث بیان کرتے ہیں اور جز قابل اعتماد ثقہ لوگوں کے کسی سے روایت لینا پسند نہیں فرماتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی وفات کے بعد مدینہ منورہ کی علمی چہل پہل ختم ہو جائے گی۔ (مقدمہ تنویر الحواکم للسیوطی، ص: ۳)

شہابان وقت کے نزدیک امام صاحب کی قدر و منزلت:

خلفائے بنی عباس امام صاحب کو بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ کو دنیا کے اسلام کا سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا مفکر تسلیم کرتے اور آپ کے مسلک کو فقہائے عراق کے مسلک سے زیادہ صحیح اور زیادہ لائق عمل سمجھتے تھے۔ امام صاحب فرماتے ہیں ایک دن ابو جعفر منصور نے مجھ سے کہا: ”کیا آج روئے زمین پر آپ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی شخص موجود ہے؟“ میں نے کہا: ”بہت۔“ بولا: ”ان کے نام بتائیے۔“ میں نے کہا: ”اس وقت نام تو مجھے یاد نہیں۔“ کہنے لگا: ”میں نے عہد بنو امیہ میں خود علم سیکھا ہے اور سب کچھ جانتا ہوں۔ اہل عراق تو جھوٹے، مفتری اور باطل کے خوگر ہیں۔ اہل شام مجاہد ضرور ہیں مگر ان میں کچھ زیادہ علم نہیں ہے۔ ہاں البتہ اہل حجاز میں علم ہے اور آپ حجاز کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ امیر المؤمنین کی اس رائے کی تکذیب مت کیجیے اور ایک ایسی کتاب لکھیے جس کی پابندی تمام لوگوں پر لازم ہوگی۔ میں امرائے فوج اور عدالت کے ججوں کو حکم دوں گا کہ اس کے مطابق عمل کریں جو اس کو قبول نہ کرے اس کا سر قلم کر دیا جائے یا درے مار مار کر اس کی کھال ادھیڑ دی جائے۔“ مگر امام

صاحب اس کی اس بات پر رضا مند نہ ہوئے۔

(تقدمۃ الجرح والتعديل، ص: ۲۹، الدبیاج، ص: ۲۵)

غور فرمائیے! ایک جاہ طلب کے لیے شان و شوکت حاصل کرنے اور دنیا کمانے کا اس سے بڑھ کر کون سا سنہری موقع ہا تھا آ سکتا ہے کہ سارے عالم اسلام کا خلیفہ آپ کو روئے زمین کا سب سے بڑا عالم تسلیم کر رہا ہے اور آپ کے مسلک کو پوری دنیا اسلام پر بزور شمشیر نافذ کر دینے کے لیے تیار ہے۔ مگر امام صاحب کی بے نفسی راست گوئی اور حق پرستی دیکھیے کہ وہ خلیفہ کی رائے سے اختلاف کرتے اور اس کو مشورہ دیتے ہیں کہ اہل عراق کو اپنے مسلک اور اہل مدینہ کو اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ اس پر منصور کہتا ہے:

اما اهل العراق فلست اقبل منهم صرفا ولا عدلا انما العلم علم اهل المدينة فضع للناس العلم .

یعنی اہل عراق کی تو فرض و نفل کوئی چیز بھی قابل قبول نہیں ہے یقیناً جسے علم کہنا چاہیے وہ اہل مدینہ کا علم ہے۔ لہذا آپ علم کو مدون فرمائیے۔ (الدبیاج المذہب، ص: ۲۵)

لیکن اس قدر زور دینے پر بھی امام صاحب نے خلیفہ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا بلکہ سنجیدہ طریقہ اور زوردار دلائل سے خلیفہ کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ جس نے آپ کی اصابت رائے کی یہ کہہ کر داد دی کہ ”واقعی آپ نے بڑی دوراندیشی کی بات کہی ہے۔“ (تقدمۃ، ص: ۲۹) ایک روایت میں ہے منصور نے کہا خدا کی قسم! اگر آپ مجھ سے اتفاق کرتے تو میں اپنے ارادہ کو ضرور عملی جامہ پہنا کر چھوڑتا۔

(الانقضاء لابن عبد البر، ص: ۴۱)

اسی منصور کے پوتے ہارون رشید نے بھی اپنے عہد حکومت میں امام صاحب کے سامنے ان کی مشہور عالم کتاب موطأ کو خانہ کعبہ میں آویزاں کرنے اور تمام لوگوں کو اس کی تعمیل پر مجبور کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ مگر امام صاحب نے اس تجویز کو بھی مسترد کر دیا۔ (اور اس

طرح اپنے لیے ہر دلعزیزی اور جاہ طلبی کا ایک اور سنہری موقع کھو دیا۔) (حلیۃ الاولیاء بحوالہ حیات مالک از سید سلیمان ندوی)

ہارون رشید کے والد خلیفہ مہدی نے بھی امام صاحب سے یہی کہا تھا:

ضع کتابا احمل الامة عليه .

مگر امام صاحب نے اس کی رائے کو بھی ٹھکرا دیا تھا۔

(الدبیاج، ص: ۲۵)

اللہ! اللہ! یہ پاک نفس ہستیاں اور حب مال و جاہ۔ ضدان لا یجتمعان!

بے نیازی:

خلفاء کے نزدیک اس قدر عز و جاہ اور قدر و منزلت کے باوجود امام صاحب ہمیشہ ان سے بے نیاز رہے۔ حصول دنیا کی کبھی آرزو نہیں کی۔ اور نہ ان کی شان و شوکت سے کبھی مرعوب ہوئے۔ بارہا خلفاء نے طرح طرح کے لالچ دے کر انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کی کوششیں کیں۔ مگر بجز ناکامی کچھ حاصل نہ ہوا۔

اس سلسلے میں چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:

۱: حسین بن عروہ کہتے ہیں ایک دفعہ خلیفہ مہدی مدینہ منورہ آیا۔ اور امام صاحب کی خدمت میں تین ہزار دینار بھیجے۔ پھر اس کا وزیر ریح آیا اور کہنے لگا تیاری کیجیے امیر المؤمنین آپ کو اپنے ساتھ بغداد لے جانا چاہتے ہیں۔ امام صاحب بولے خلیفہ کے دینار میرے پاس بے عینہ موجود پڑے ہیں۔ ان کی مہرت تک نہیں کھولی گئی۔ وہ لے جانے ہوں تو بے شک لے جاؤں میں مدینہ چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: المدینۃ خیر لہم لو کانوا یعلمون .

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۹۶)

یعنی اگر یہ لوگ علم و دانش سے کام لیں تو مدینہ ان کے لیے بہتر ہے۔

۲: ایسی ہی کوشش ایک دفعہ ہارون رشید نے کی تھی۔ امام صاحب نے اس کو بھی وہی جواب دیا جو اس سے پہلے مہدی کو دے چکے

تھے۔ (تقدمۃ الجرح والتعديل ص: ۳۰)

۳: ایک دفعہ ہارون رشید شہزادوں سمیت امام صاحب کے در دولت پر حاضر ہوئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ انھیں موٹا پڑھ کر سنائیں۔ امام صاحب فرمانے لگے۔ مدت ہوئی میں نے خود پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ اب طلباء ہی پڑھتے ہیں۔ ہارون بولا! اچھا! ان لوگوں کو نکال دیجیے میں آپ کے سامنے قراءت کروں گا۔ امام صاحب نے فرمایا: جب خواص کی خاطر عوام کو محروم کر دیا جائے تو خواص بھی فوائد علم سے محروم ہی رہتے ہیں۔ یہ کہا اور معن کو پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ پڑھنے لگا۔ سبق شروع ہو گیا اور خلیفہ صاحب منہ دیکھتے رہ گئے۔ (تذکرہ)

غور فرمائیے! امام مالک جیسے بے غرض، راست کردار اور حق نواز شخص کے سوا کون ایسی جرأت کر سکتا ہے۔ اور اس پیشوائے حق کے علاوہ کس کو ایک جابر اور پر شکوہ خلیفہ وقت کی خواہشات سے بے اعتنائی کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔

خود داری:

امام صاحب فرماتے ہیں جب بنو ہاشم اور دوسرے لوگ منصور کے دربار میں جاتے تو اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔ مجھے بھی کئی دفعہ اس کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا مگر میں نے کبھی اس کے ہاتھوں کو بوسہ نہیں دیا۔ (تقدمہ) (جاری ہے)

بقیہ: اربعین اعتقادی

ذریعہ اپنے بچوں کی نشوونما کریں تاکہ بچوں کے ذہنوں میں توحید و ایمان راسخ ہو جائے۔

۸: فطرت توحید ہی صحیح دین ہے۔ ۹: اپنی بات کی وضاحت مناسب مثالیں دے کر کرنا زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔

۱۰: رسول اکرم ﷺ بہترین مربی تھے جو اپنے اصحاب کو دین فطرت کا درس اچھی طرح سمجھایا کرتے تھے۔

۱۱: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مقدس کی آیات سے استدلال کرنے کا خوب ملکہ رکھتے تھے۔

۱۲: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فقہت کے درجے پر فائز تھے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث بیان کرنے کے بعد انھوں نے اس کی تائید میں نص قرآنی بیان فرمائی۔ صحابہ کرام کو غیر فقیہ گردانا قرآن و سنت سے بے خبری کی دلیل ہے۔

بقیہ: دعاء اور اُس کی قبولیت

رسول اکرم ﷺ کی خواہش تھی کہ اولادِ زینہ ہو۔ بیویاں موجود تھیں۔ لیکن اولاد نہیں ہوئی۔ ایک لونڈی سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے اور پندرہ ماہ کی عمر میں فوت ہو گئے۔ نزع کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں پر تھے۔ آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دل غمزدہ تھا۔ لیکن زبان سے لا نقول الا ما یرضی بہ ربنا وانا بفراقک یا ابراہیم لمحزونون۔

کہا تھا۔ معلوم ہوا کہ ضروری نہیں ہے کہ دعا بالکل اسی صورت میں قبول ہو۔

جمعہ کے دن بعد نماز عصر قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے۔ خطبہ جمعہ کے دوران امام کے بیٹھنے کے وقت قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے۔ رات کا وقت قبولیت کا وقت ہے۔

جب بھی دعا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ صرف یہ ضروری ہے کہ اس کی بارگاہ میں ایمان لے کر آئے بے ایمان ہو کر نہ آئے۔ یقین محکم کے ساتھ آئے۔ آزمائش کے طور پر نہ آئے۔

ہر مقصد کے حصول کے لیے دو طریقے ہیں: ۱: اسباب و ذرائع کے استعمال کا طریقہ۔ ۲: اسباب سے ماوراء صورت میں۔

استمداد صرف خدا سے کرنی چاہیے۔ اس صورت میں کسی دوسرے کو پکارنا حرام ہے۔ رشد و ہدایت کا صرف یہی طریقہ ہے۔ باقی تمام باطل ہیں۔

ضرورت مبلغین

ادارہ نصر الائمہ کھیالی بائی پاس گوجرانوالہ کو ایسے مبلغین کی ضرورت ہے جو دعوت و تبلیغ اسلام کو قرآن و حدیث کے پیرائے میں بیان کر سکیں۔ مدرس، خطیب اور قراء حضرات بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔
تجوید و قرأت سے آشنا افراد کو ترجیح دی جائے گی۔
(امیر حمزہ حماد طور، ناظم ادارہ۔ فون نمبر: 0333-8112611)

امام و خطیب کی ضرورت

پنجابی زبان کے امام و خطیب صاحب جن کی اہلیہ محترمہ بھی عالمہ ہوں، کی ضرورت ہے۔ جو پتہ کی ضلع قصور کی مسجد میں خدمات انجام دیں گے۔ معقول مشاہرہ ہوگا۔
(فیاض عاصی، فون نمبر: 0306-4436662)

مدرس و خطیب کے ضرورت مند

ایک سینئر مدرس و خطیب (اردو، پنجابی) ان دنوں فارغ ہیں۔ کسی جگہ خطابت، یا تدریس درسی نظامی کی ضرورت ہو تو رابطہ کیا جاسکتا ہے۔
بندہ خدمات کے لیے پاکستان بھر میں کہیں بھی جاسکتا ہے۔
(رابطہ نمبر: 0308-5602830)

مولانا قاری عبدالوکیل صدیقی رحمہ اللہ پر خصوصی اشاعت

مولانا قاری عبدالوکیل صدیقی مرحوم کی طویل دینی، علمی، تدریسی، تصنیفی و تبلیغی خدمات اور حالات زندگی پر ماہنامہ مجلہ تفہیم الاسلام احمد پور شرقیہ، ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کر رہا ہے۔
اہل علم حضرات اپنے تاثرات و مضامین وغیرہ ۲۵ اگست ۲۰۱۳ء تک ارسال فرمادیں۔
(حمید اللہ خان عزیز، مدیر مجلہ، توحید منزل محلہ رحمان آباد، احمد پور شرقیہ، بہاولپور۔ فون: 0333-6357567)

انتقال پر ملال

مشہور شاعر اور صحافی فیض لودیانوی مرحوم کا بیٹا نیاز محمد ناز ڈپلومہ ہولڈر نیشنل کالج آف آرٹس کیم اگست ۲۰۱۳ء کو ۷۱ سال کی عمر میں بعد از مغرب وفات پا گیا۔

انا لله وانا اليه راجعون .

دو بیٹے، بیوہ اور سینکڑوں رشتہ دار سوگوار چھوڑے ہیں۔ جمعۃ الوداع طاق رات رمضان کا آخری عشرہ اس کے نصیبوں میں آیا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کے رتبے میں اور اضافہ کرے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔

(سوگوار: بڑا بھائی، فیاض محمد فضا۔ فون: 0343-4545600)

طلباء علوم الحدیث کیلئے خوشخبری

بفضل اللہ تعالیٰ و توفیقہ جامعہ سلفیہ اسلام آباد میں نئے تعلیمی سال کے آغاز پر مخصوص فی علوم الحدیث والافتاء زیر نگرانی فضیلۃ الشیخ حافظ **عبدالحمید ازہر** حفظہ اللہ تعالیٰ آغاز ہو رہا ہے جس میں کبار اہل علم حضرات تدریس کے فرائض انجام دیں گے دینی مدارس و جامعات کے فارغ التحصیل حضرات کیلئے استفادہ کا سنہری موقع ہے درخواستیں 27 اگست 2013 تک جمع کروا سکتے ہیں

مشائخ حضرات برائے تدریس

* فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سمیل حسن حفظہ اللہ * فضیلۃ الشیخ ابراہیم خلیل الفضلی حفظہ اللہ
* فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حافظ محمد انور حفظہ اللہ * فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اسماعیل محمد امین حفظہ اللہ

یاد رہے کہ
آٹھویں سال میں پڑھنے والے طلباء کو
ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔

مشائخ حضرات برائے توسیعی محاضرات

اس سال جامعہ میں بخاری شریف پڑھنے
والے بیرونی طلباء کو خصوصی طور پر داخلے کی
اجازت دی جارہی ہے۔

فضیلۃ الشیخ پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی حفظہ اللہ • فضیلۃ الشیخ حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ • فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر فریح الرحمن القرشی حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد عارف حفظہ اللہ • فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالقادر گوندل حفظہ اللہ • فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صفی اللہ حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ • فضیلۃ الشیخ رشاد الحق اثری حفظہ اللہ • فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حامد عبداللہ القریشی حفظہ اللہ الریاض

نوٹ داخلہ تحریری امتحان اور انٹرویو کی بنیاد پر ہوگا (ن شاہ)

حافظ شیخ محمد شفیق صدر و اراکین جامعہ سلفیہ ٹرسٹ

الداعی الی الخیر

H-8/1 اسلام آباد 051-4432271-2, 0321-5745096

یہ کیا ہو رہا ہے؟

قوم کی قوم ہی آسودہ غفلت ہے ابھی
کیا کسی اور تباہی کی ضرورت ہے ابھی
سنگ و آہن کے بھی سینوں میں شرر جاگ اٹھے
چشمِ انسان ہے کہ محرومِ بصیرت ہے ابھی
قصر و ایوان کی بہاروں کا وہی عالم ہے
جھوپڑوں کی وہی اجڑی ہوئی حالت ہے ابھی
خواہ دفتر کے ہوں ایوان کہ تصوف گاویں
وہی حلوے، وہی مانڈے، وہی رشوت ہے ابھی
یہ ایک مصلحتِ وقت کا ہے لطف و کرم
شیخ کے سر پہ جو دستارِ فضیلت ہے ابھی
وہی شاہانہ تجل، وہی محلوں کا شکوہ
وہی جلوت، وہی خلوت، وہی نخوت ہے ابھی
لب پہ وہ مہرِ خموشی کہ الہی توبہ!
دل کا یہ حال کہ لبریزِ شکایت ہے ابھی
وہی قانونِ فرنگی، وہی دستورِ عمل
وہی خود ساختہ آئینِ سیاست ہے ابھی
ہم نے مانا کہ ہیں آزاد زمینوں کے حدود
نگہ و دل پہ تو غیروں کی حکومت ہے ابھی
آنکھ پھر منظرِ صبحِ قیادت ہے ابھی
ایک فاروقؓ کی دنیا کو ضرورت ہے ابھی

(ماہر القادری)